वर्मा, रामकुमार, संपा.
कबीर पदावली ... दिल्ली साहित्य

महाकवि सूरदास. दिल्ली : आत्माराम ए...
संस. 1952.

حقیقی آنند کا راستہ

روڈ - رام نگر لاہور سے ۲ر کے ٹکٹ
محصولڈاک بھیجکر مل سکتی ہے

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام پنڈت .... پرنٹر پبلشر چھ

چہ

زندگی ایک ایسا سفر ہے۔ کہ جو ہر ایک مخلوق کو لازمی طور پہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔
...سے نیچے درجہ کی مخلوق یعنی جمادات۔ نباتات اور حیوانات تو مقررّہ قوانین کے
...باندھی اور بکڑی ہوئی چلتی معلوم ہوتی ہے۔ ...نوعِ انسان کی رفتار میں اور وہ
کو مدّنظر ...ف ایک حد تک آزادی یا آزاد مرضی کا ثبوت ملتا ہے۔ تاہم انسانوں میں بھی بہت زیادہ
بالضرور ...یسی دیکھنے میں آتی ہے۔ کہ جسے حیوان سے کچھ خفیف سا بہتر کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ
تعلق اَ... زندگی بھر حیوانوں کی طرح جائز و ناجائز طور پر جسمانی خواہشات اور بھوگ بلاس کے پورا
معامل... رہنے میں ہی لگے رہتے ہیں۔ اور وہ اپنی مرضی یا خوشی سے کبھی بھی دنیا کو چھوڑنا نہیں
کتاب... ہے۔ اور جن خوشیوں کے لیے اپنی انسانی آزادی کو خود ہی دنیاوی غلامی کے ہاتھ بیچ
روزمرّہ ... ہیں۔ ان سے بھی اکثر محروم رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہیں دھرم یا خدا کا کچھ دھندلا
...ور وہ بھی محض سُنا سُنایا خیال ہوتا ہے۔ و... وہ خود تو کچھ سوچتے تک نہیں۔ یا وہ
...ں پہلو میں سوچنے کی قابلیت ہی نہیں رکھتے

مذہب یا دھرم۔ ایشور یا خدا۔ بہشت۔ دوزخ یا تناسخ وغیرہ میں سُنا سُنایا یقین
یا ایمان رکھنے والے لوگ بھی دنیا میں بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے عقیدہ کے
مطابق بیم و رجا کی وجہ سے پوجا پاٹھ۔ پرارتھنا۔ دُعا یا نماز۔ مالا و تسبیح۔ جپ اور وظیفہ
روزہ اور برت وغیرہ بھی بہت کچھ کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ مگر وہ اپنے اِن مذہبی
اعمال کا بہترین اجر یا پھل بہشت یا تناسخ وغیرہ کے ذریعہ مرنے کے بعد کسی دوسری دنیا
یا جنم میں ملنے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور اس گروہ کے بہت زیادہ لوگ موجودہ زندگی میں
پاکیزگی۔ سچائی اور انصاف وغیرہ کے متعلق مذہبی احکام و ہدایات پر عمل کرنا ضروری نہیں
سمجھتے۔ کیونکہ ایسے ہی لوگوں کی "طفل تسلی" کے لئے چالاک پیشواؤں نے شفاعت
چا...ئش یا جنتروں منتروں کی امداد سے بخشے جا کر اور مکتی پا کر سیدھا سورگ میں جا پہنچنے

کا بڑا پختہ یقین دلایا ہوا ہے۔ اور اِس پر طُرفہ تر یہ کہ یہ قریباً سب ہی لوگ اپنے سے غیر مذہب و عقیدہ رکھنے والوں کو بُرے سے بُرا ابتلا کر ان سے لڑتے جھگڑتے اور دنگہ و فساد بھی مچاتے اور خون خرابہ کرتے رہتے ہیں۔ دنیا کو رنج و غم۔ دُکھوں اور تکلیفوں سے پُر کر دینے یا جہنم کا نمونہ بنا دینے والے لوگ زیادہ تر اسی گروہ یا طبقہ میں ملتے ہیں۔

قریباً ہر ایک ملک کے مذہبی یا دھارمک عقیدہ رکھنے والوں میں ہی خال خال لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ کہ جو سچائی۔ انصاف۔ بھلائی اور پاکیزگی وغیرہ اِنسانی ا[illegible] صفات کو مدنظر رکھ کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ کسی غیر مذہب والے [illegible] کسی قسم کا جھگڑا نہ کرنے کے علاوہ تعصب و تنگدلی سے بالاتر رہ کر کسی درست [illegible] یا تعلیم کو تسلیم کرنے اور حسبِ موقعہ اس پر عمل کرنے کے لئے بھی آمادہ رہتے ہیں۔ انہیں جب اور جہاں کہیں کسی اعلےٰ اور نوعِ انسان کے لئے مفید و کار آمد تعلیم یا [illegible] کا پتہ ملتا ہے۔ تو وہ اُسے حسبِ حالات و قابلیت خود قبول کرنے کے علاوہ دوسر[illegible] مستحق و قدردان اصحاب تک پہنچانے کی بھی اُسی طرح کوشش کرتے ہیں۔ کہ جس طرح ایک شخص اپنے کسی دوست کو کسی اچھی مفید اور کار آمد چیز کو استعمال کرنے [illegible] ترغیب دیتا ہے۔

مذکورہ بالا اصول یا قاعدے کے مطابق لالہ رام نرائن صاحب گپتا۔ بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی سیکنڈ ماسٹر دیال سنگھ ہائی سکول نے غالباً جنوری ۱۹۳۴ء میں جب میں انہیں کے نئے مکان میں بطور ایک پرائیویٹ ممبر کے رہتا تھا۔ مجھے مشہور روحا[illegible] مصنف جیمس ایلن صاحب کی تصنیف "بائی ویز آف بلیسڈنس" کا ہندی ترجمہ [illegible] کے لئے دیا۔ چونکہ اس ترجمہ میں سنسکرت زبان کے دقیق و غیر معروف الفاظ بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے میری درخواست پر میرے اپنے روزمرّہ پڑھنے کے لئے بھائی رام نرائن صاحب گپتا نے اِسے اصل انگریزی کتاب سے سلیس اُردو بھاشا میں مجھے لکھوا دیا۔ کہ جسے میں اکثر ہر روز پڑھتا اور روحانی فیض اٹھاتا ہوں۔

اس کتاب کے چودہ ابواب کی سرخیاں حسبِ ذیل ہیں۔ کہ جن سے ناظرین [illegible]

اس کے مندرجہ مضامین کی عمدگی۔ خصوصیت اور خوبیوں کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں:۔
(۱) صحیح ابتدا یا درست آغاز (۲) چھوٹے چھوٹے کام اور فرائض (۳) مشکلات اور الجھنوں پر فتح (۴) بوجھ اُتارنا (۵) پوشیدہ قربانیاں (۶) ہمدردی (۷) معافی یا درگزر (۸) دوسروں کے نقص نہ دیکھنا (۹) دائمی خوشی (ابدی راحت) (۱۰) خاموشی۔ (۱۱) تنہائی میں رہنا (۱۲) خود اعتمادی (۱۳) زندگی کے سادہ اصولوں کو سمجھنا (۱۴) انجام بخیر۔
مجھے امید ہی نہیں۔ بلکہ یقین ہے۔ کہ جو شخص اس کتاب کو اپنی اخلاقی اور روحانی اصلاح کو مدنظر رکھکر پڑھنے اور اس کی ہدایات پر کچھ بھی عمل کرنے کی کوشش کریگا۔ تو وہ خود بھی بالضرور ایک خلیق۔ شریف اور مفید انسان بن جانے کے علاوہ جس جس کے ساتھ اُس کا تعلق اور واسطہ پڑتا رہے گا۔ ان سب کے لئے بھی ایک صادق دوست اور بہترین خوش معاملہ انسان اور درست صلاح کار ثابت ہوگا۔ اسلئے میں ناظرین کی خدمت میں اس کتاب کے صرف پڑھ چھوڑنے کیلئے ہی نہیں۔ بلکہ اچھی طرح ذہن نشین کرنے اور عمل کرنے کے لئے روزمرہ بطور ایک دھارمک فرض اور وظیفہ یا پاٹھ کے دلی توجہ کیساتھ پڑھنے کی درخواست کرتا ہوں۔
مذہبی کتابوں اور دھرم گرنتھوں کے پڑھنے کا اجر تو لوگ مرنے کے بعد اور کسی دوسری دنیا یا بہشت یا تناسخ کے ذریعہ ملنا بتاتے اور اسی امید پر پوجا۔ دھارمک کتب کا پاٹھ اور تلاوت وغیرہ کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ کہ جس کا پھل ملنے کو کوئی شخص مرنے کے بعد ہی دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ اس وقت تو صرف پنڈتوں۔ مولویوں۔ واعظوں اور مُناّدوں کی زبان پر اور وہ بھی ایک دوسرے سے باہمی متضاد باتوں پر یقین کر لینے کے سوائے اس وقت اس کا اور کچھ بھی ثبوت نہیں ملتا۔ بقول ؎

پھر آنہ ملکِ عدم سے کوئی جو میں پوچھوں ۔ مسافرو کہو منزل پہ کیا گزرتی ہے ؟

ہاں اس کتاب کے بطور وظیفہ پڑھنے اور اسکی ہدایات پر عمل کرنے کا اثر اور ثبوت یہاں ہی اور اسی دنیا اور موجودہ زندگی میں ہر شخص اس وقت خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا اور محسوس کر سکتا ہے۔ پس ناظرین اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی صرف چار پانچ ہدایات یا مشوروں پر عمل کر کے میری رائے اور میرے تجربے کی تصدیق خود ہی کر سکتے

ہیں۔ بقول ؎ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔

جن بھائیوں نے اس کتاب کے مسودے کو مجھ سے سنا یا خود لیکر پڑھا ہے۔ انہوں نے اسے بہت پسند کیا۔ اور اسے چھپوا دینے کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے مجھے عملی طور پر سہایتا دی۔ اور ساتھ ہی اپنا نام تک ظاہر نہ کرنے کی ہدایت کر دی ہے۔

ہمارے ملک میں عام طور پر لوگ اپنے نام کی شہرت سے متحرک ہو کر یا کسی بڑے آدمی کی خوشنودی کے لئے کسی کام میں سہایتا کرنے کے عادی ضرور ہیں لیکن یہ ایک قسم کا بیوپار یا سودا ہے۔ کہ جو انسانی سبھاؤ کی بہترین تبدیلی کیلئے مؤثر ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو لوگ بغیر ضمانہ طور پر دوسروں کو روحانی فیض پہنچانے کے خواہشمند ہوتے اور اس فیض کے دائرے کو وسعت دیتے ہیں۔ وہ مبارکباد کے مستحق ضرور ہیں۔ بس میں ان سب بھائیوں کا کہ جنہوں نے کسی پہلو میں بھی مجھے اس روحانی سیوا میں امداد دی ہے۔ تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور جہاں ایشور کا دھنباد کرتا ہوں۔ کہ جنکی کرپا سے میں اس روحانی سیوا کا ادھیکار پا کر اپنی کمزور صحت اور ضعیف العمری میں اسے پورا کر سکا۔ برمھ کرپا ہی کیولم۔ گردھر رائے بشواسی"

دیباچہ اڈیشن دوم

پہلے اڈیشن کے ترجمہ میں جو کمی یا فروگزاشت رہ گئی تھی۔ اس اڈیشن میں حتی الوسع اسے دور کرنیکی کوشش کیگئی ہے۔ اور لالہ رام نرائن صاحب گپتا بی اے۔ ایل ایل بی نے بڑی محنت سے ازسرنو ترجمہ کیا ہے اور عبارت کو بھی عام فہم اور سہل بنانیکی کوشش کی ہے۔ نیز لکھائی چھپائی اور سرورق بھی بہتر بنایا گیا ہے پہلا اڈیشن چھ ماہ کے اندر ہی ختم ہو چکا تھا۔ اور کتاب کی مانگ برابر جاری تھی لیکن روپیہ کی کمی کی وجہ سے دوسرا اڈیشن نکالنے میں بہت تاخیر ہوگئی۔ یہ کتاب ہر مذہب ملت کے اصحاب نے پسند کی ہے۔ جن دوستوں۔ اور مہربانوں نے اس اڈیشن کیلئے روپیہ کی کچھ مدد کی ہے میں انکا بہت ہی مشکور ہوں چونکہ یہ کتاب چھپوا کر ہر دفعہ ہی مفت دیجائیگی۔ اسلئے میں ناظرین سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ اگر وہ خود اپنے ذاتی تجربہ سے بھی زندگی کو بہتر بنانے میں اس خاموش ناصح کو کچھ مددگار سمجھیں اور انہوں نے خود اس کتاب سے کسی پہلو میں بھی فیض اٹھایا ہو۔ تو وہ اپنی روحانی احساس کے مطابق خود بھی امداد کیلئے ہاتھ بڑھائیں تاکہ یہ کتاب ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر روحانی بھوک رکھنے والے اصحاب کے

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	دیباچہ	۱
۲	آنند کا راستہ - تمہید از مصنّف	۷
۳	پہلا راستہ - درست اور صحیح ابتدا	۹
۴	دوسرا راستہ - چھوٹے چھوٹے کام اور فرائض	۱۹
۵	تیسرا راستہ - مشکلات اور اُلجھنوں پہ فتح	۳۰
۶	چوتھا راستہ - بوجھ اُتارنا	۳۷
۷	پانچواں راستہ - پوشیدہ قربانی	۴۸
۸	چھٹا راستہ - ہمدردی	۶۳
۹	ساتواں راستہ - معافی یا درگذر	۷۷
۱۰	آٹھواں راستہ - بُرائی نہ دیکھنا	۸۶
۱۱	نواں راستہ - ابدی راحت	۱۰۶
۱۲	دسواں راستہ - خاموشی	۱۱۲
۱۳	گیارھواں راستہ - خلوت یا تنہائی	۱۲۱
۱۴	بارھواں راستہ - خود اعتمادی	۱۳۲
۱۵	تیرھواں راستہ - زندگی کے سادہ اصول	۱۳۸
۱۶	چودھواں راستہ - انجام بخیر	۱۵۰

برمھ کرپا ہی کیولم

آنند کا راستہ

تمہید۔ (از مصنّف)

ملکِ برمھا میں یہ عام دستور ہے۔ کہ سڑکوں کے قریب ہی مگر راستہ کے گرد و غبار سے ذرا پرے ہٹکر درختوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں لکڑی کی دھرم شالائیں بنی ہوئی ہیں نزدیک کے گانوؤں کے رہنے والے رحم دل لوگوں نے ان دھرم شالاؤں میں مسافروں کے کھانے پینے کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ ہارے تھکے مسافر یہاں ٹھہر کر اپنی بھوک پیاس بجھا لیتے اور آرام کرکے تازہ دم ہو جاتے ہیں +

ہماری زندگی کے فراخ راستہ پر بھی اسی قسم کی آرام پانیوالی جگہیں تو موجود ہیں۔ مگر وہ دِل کی آنکھوں سے ہی دیکھی جا سکتی ہیں۔ وہ آرام گاہیں کہاں پر ہیں ؟ ذرا میرے ساتھ آؤ۔ میں دِکھلاتا ہوں۔ وُہ دیکھو۔ غصّہ کی بھڑکاوٹ۔ حسد کی آگ۔ نا امیدی کے اندھیرے سے دُور ہٹکر بنی ہوئی ہیں۔ شانتی کے ٹھنڈے اور آرام دینے والے سلئے کے نیچے دکھلائی دیتی ہیں۔ اور وہاں تک پہنچنے کے لئے آنند کی چھوٹی چھوٹی دُھندلی اور لکیر سی باریک بے معلوم پگڈنڈیاں بنی ہوئی ہیں۔ جہاں پر جاکر تھکا ماندہ روحانی مسافر آرام پاتا ہے۔ اور تھکاوٹ دُور کرکے پھر چل پڑتا ہے۔

اگر کوئی مسافر اپنی غلطی اور بھول سے ایسی آرام گاہوں میں پہنچکر اپنی بھوک پیاس نہ بجھائے۔ اور تازہ دم نہ ہو جائے۔ تو آگے چل کر اسے بہت دُکھ اٹھانا پڑتا ہے۔ اور سخت تکلیف ہوتی ہے۔ تاہم ہزارہا لوگ زندگی کی اس چوڑی سڑک پر بے تحاشہ بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ کوئی تو دھن دولت کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ کوئی نام۔ عزت اور واہ واہ کے پیچھے دوڑا جا رہا ہے۔ کوئی اپنی مان و بڑائی کی خواہش کی دُھن میں اندھا دھند چلا جا رہا ہے۔ الغرض جتنے لوگ اُتنی ہی خواہشیں۔ اور ہر ایک اپنی اپنی دُھن میں سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ اور اِن

شانتی دینے والے راستوں اور آرام گاہوں کو حقیر سمجھ کر ان کی طرف نگاہ بھی نہیں اُٹھاتا۔ آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ بھوک پیاس سے بیاکُل اور تھک کر چُور ہو جاتے ہیں۔ ان کے پاؤں زخمی اور دِل بے چین۔ تِس پر نہ کھانے کو کچھ پاس ہے۔ نہ ہی پانی کا کہیں نشان۔ مایوسیوں کی جھلس دینے والی دھوپ میں وُہ کہاں آرام پائیں۔ مارے گرمی کے بے ہوش ہو ہو کر گر پڑتے ہیں۔ نہ کوئی یار نہ مددگار۔ نہ کوئی خبر گیراں نہ سنبھالنے والا اور نہ غمگسار۔ تب موت آنکھوں میں پھرنے لگتی ہے۔

لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کہ جو اس انبوہ سے الگ ہو کر ان آرام گاہوں کو اپنے دِل کی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ اور ان پگڈنڈیوں پر چل کر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ لوگ وہاں پہنچکر آرام پاتے ہیں۔ وہاں کی ہریاول سے ان کی آنکھوں میں طراوت آتی ہے۔ اور پھولوں کی خوشبو سے انکے دِل و دماغ تر و تازہ ہو جاتے ہیں۔ اِس طرح سے آرام پا کر وُہ زندگی کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ نہ تو وہ دِل کی بے چینی اور گھبراہٹ سے بیہوش ہو کر راستہ میں گرتے ہیں۔ اور نہ ہی برباد ہوتے ہیں بلکہ اپنی زندگی کے سفر کو اطمینان کے ساتھ طے کرتے ہیں۔ اِس کتاب میں چودہ ۱۴ راستے دِکھلائے گئے ہیں۔ جو لوگ اِن پہ چلنے کی دِلی کوشش کرینگے۔ وُہ سُکھ اور شانتی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ۔

پہلا راستہ

درُست اور صحیح ابتدا (آغاز)

"چھوٹی چھوٹی باتیں اور روزمرّہ کے معمولی کام کاج ہی ہماری زندگی کی سیڑھیاں ہیں۔ کہ جن کے ذریعہ ہم ترقی کر سکتے ہیں۔ یہ سچ ہے۔ کہ ہمارے پَر نہیں ہیں۔ کہ جن سے اُڑ کر ہم فوراً ہی ترقی کے پہاڑ پر جا بیٹھیں۔ لیکن ہمارے پاؤں تو ہیں۔ کہ جن کے ذریعہ آہستہ آہستہ چل کر ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ سکتے ہیں"۔ (لانگ فیلو)

"انسانی زندگی کے اُتار چڑھاؤ کو خوبصورت رنگوں میں ظاہر کرنا مجھے پسند ہے"۔ (براؤننگ)

انسانی زندگی آغازوں سے بھری ہوئی ہے۔ پل پل میں کوئی نہ کوئی کام شروع ہوتا ہی رہتا ہے۔ کوئی تو جلدی ختم ہو جاتا ہے۔ اور کوئی دیر میں۔ بہت سے کام شروع ہونے کے وقت تو بالکل چھوٹے اور ادنےٰ سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے۔ کہ یہی چھوٹے چھوٹے کام مل کر ہماری زندگی کو اچھا یا بُرا بنانے کا سبب بن جاتے ہیں۔

ذرا دیکھو تو سہی کہ ہر ایک کام کس طرح سے شروع ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑا دریا جہاں سے نکلتا ہے۔ وہاں اتنا چھوٹا ہوتا ہے۔ کہ اسے ایک بچّہ بھی پھلانگ سکتا ہے۔ آسمان سے بارش کی بوندیں ایک ایک کر کے گرتی ہیں۔ اور اُسی سے طغیانی آجاتی ہے۔ کہ جس سے ہزارہا گاؤں برباد ہو جاتے ہیں۔ بڑ کا وہ درخت کہ جس کے سایہ تلے آج سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں آدمی آرام پا سکتے ہیں۔ شروع میں ایک ننھّا سا پودا تھا۔ سلگتی ہوئی دیا سلائی اگر غفلت سے کسی گھاس پھونس کے ڈھیر میں گر پڑے۔ تو ایک بڑے شہر کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا سکتی ہے۔

یہی حال رُوحانی دنیا کا ہے۔ بڑی بڑی باتیں شروع ہوتے وقت بہت چھوٹی سی ہوتی ہیں۔ کسی معمولی خیال سے عجیب وغریب ایجاد کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ (نیوٹن نے سیب کو گرتا دیکھکر زمین کی کشش کا اصول دریافت کیا۔ مہاتما بُدھ نے مُردے کو دیکھکر نِروان کا راستہ ڈھونڈ نکالا۔ جارج سٹیفن نے کیتلی سے بھانپ نکلتی دیکھکر سٹیم انجن ایجاد کیا۔ مترجم) زبان سے نکلے ہوئے ایک فقرہ سے تواریخ کا باب پلٹ جاتا ہے۔ دِل میں ایک نیک خیال کے آجانے سے دنیا کا سدھار ہو جاتا ہے اور پل بھر کے بُرے خیال سے بھاری سے بھاری پاپ سرزد ہو سکتا ہے۔

اوپر کی مثالوں سے تمہیں اچھی طرح سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ کسی کام کا آغاز اپنے اندر کس قدر عظمت رکھتا ہے۔ اور کسی کام کا بگڑنا یا سُدھرنا بہت کچھ اس کے آغاز پر ہی منحصر ہے۔ بھلا یہ تو بتلاؤ۔ کہ تم ہر روز کتنے کام شروع کرتے ہو۔ کیا تم جانتے ہو۔ کہ اُن کے اندر ہی تمہارا اچھا یا بُرا انجام چھپا ہوا ہے؟ اگر نہیں جانتے تو میرے ساتھ ساتھ آؤ۔ میں تمہیں آنند کا پہلا راستہ دکھلاتا ہوں۔ اگر تم اس راستہ کو دانائی اور سمجھ بوجھ کے ساتھ معلوم کر لوگے۔ تو یہ تم کو سُکھ اور شانتی کی طرف لے جائے گا۔

جب تم کوئی کام شروع کرتے ہو۔ تو اُسکی تہ میں کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ اور جہاں سبب ہے۔ وہاں اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ بھی بالضرور نکلتا ہے۔ یاد رکھو۔ کہ جیسا سبب ہوگا۔ نتیجہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ بھلے کام کا نتیجہ بھلا اور بُرے کام کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے۔ یہ ایک عام کہاوت ہے۔ کہ "بوئے پیڑ ببول کے تو آم کہاں سے کھائے"۔ انسان چاہتا ہے۔ کہ کام تو بُرے بھی کرتا رہے۔ مگر اس کے نتیجوں سے بچا رہے۔ یہ اُسکی سخت بھول ہے۔ یہ کلجگ نہیں۔ بلکہ کرجگ ہے۔ انسان گھر کے دروازہ سے نکلکر راستہ پر پہنچتا ہے۔ اور پھر راستہ طے کر کے کسی خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کام کا آغاز ہمیں اس کے نتیجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اور یہ نتیجہ یا پھل ہماری زندگی کی زنجیر کی ایک کڑی بنتا ہے۔

اس دنیا میں اچھّے اور بُرے ہر طرح کے آغاز موجود ہیں۔ جیسا اچھّا یا بُرا آغاز ہوگا۔ ٹھیک ویسا ہی اچھا یا بُرا نتیجہ بھی ہوگا۔ اگر تم سوچ سمجھکر ہوشیاری کے ساتھ بُرے اور خراب آغازوں سے اپنے آپ کو بچاتے رہوگے۔ تو ان کے بُرے پھلوں سے خود بخود ہی بچے رہوگے۔ آغاز کئی قسم کے ہوسکتے ہیں۔ کئی ایسے ہیں۔ کہ جن پر ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ یہ آغاز ہم سے باہر ہیں۔ وُہ یا تو قدرت کے اختیار میں ہیں۔ جیسے بارش کا وقت بیوقت ہو جانا۔ اولوں کا پڑ جانا۔ بجلی کا گرنا وغیرہ۔ یا وہ دُوسرے لوگوں کے اختیار میں ہیں۔ کہ جن کو ہماری ہی طرح اس دنیا میں کام کرنے کی پوری آزادی ہے۔ مثلاً چوروں یا ڈاکوؤں کا آکر گھر کو لُوٹ لے جانا۔ جنگ کے وقت ہوائی جہازوں سے بم گرایا جانا۔ کہ جن سے جان و مال کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ ایسے آغازوں پر ہمارا کوئی بس نہیں چل سکتا۔ یاد رکھو۔ کہ ایسے آغازوں سے ہمیں کچھ تعلق نہیں۔ ہم کو تو اپنی ساری طاقت اور توجہ ان آغازوں کی طرف لگانی چاہیئے۔ کہ جن پر ہمارا پورا پورا اختیار ہے۔ یعنی جو ہمارے اپنے اختیار میں ہیں۔ اور جن سے ایسے گہرے نتیجے نکلتے ہیں۔ کہ جن سے ہماری زندگی بنتی ہے۔ یہ آغاز ہمارے اپنے خیالات اور اعمال کے آغاز ہوتے ہیں۔ کئی قسم کے خیالات ہمارے دماغ میں چکر کاٹتے رہتے ہیں۔ باوجودیکہ وُہ پوشیدہ ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی ہمارے اعمال کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ان خیالات کی دنیا میں ہی وُہ آغاز پوشیدہ ہیں۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ آغاز ہمارے اندر ہی ہیں۔ اس لئے صرف ایسے آغازوں کی طرف ہی ہمیں دھیان دینا چاہیئے۔

سُکھی زندگی کے لئے سب سے سیدھا سہل آغاز یہ ہے۔ کہ ہم غور اور توجہ سے دیکھیں۔ کہ ہم اپنی روزمرّہ کی زندگی کس طرح سے شروع کرتے ہیں۔ ہمارا دن کیونکر چڑھتا ہے کس وقت سو کر اُٹھتے ہیں۔ اور ہم اپنے فرائض کو کس طرح پر شروع کرتے ہیں۔ ہر ایک نئے دن کی زندگی میں داخل ہوتے وقت ہمارے دِل کی کیا حالت ہوتی ہے۔ ہم ان سب سوالوں کا جواب کیا دیتے ہیں۔ اس طرح سے ہمیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہر روز کے درست یا غلط

آغازوں سے ہی ہمارا دِن سکھ اَور خوشی سے گذریگا۔ یا دُکھ اور تکلیف میں۔ اگر ہر ایک دِن عقلمندی سے شروع کیا جائیگا۔ تو دن بھی خوشی سے کٹیگا۔ اَور زندگی کے سُکھ میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔

زندگی کا سب سے پہلا اَور اوّل آغاز یہ ہے۔ کہ انسان صبح مُنہ اندھیرے اُٹھنے کی عادت ڈالے۔ بلکہ جہانتک ممکن ہو۔ سورج نکلنے سے بہت پہلے بستر چھوڑ دے۔ دن بھر کے کاموں کا صحیح اَور درست آغاز یہی ہے۔ مان لیا۔ کہ بہت سویرے اُٹھنے کی تمہیں کوئی خاص ضرورت نہیں۔ تب بھی سستی کو چھوڑ کر منہ اندھیرے اُٹھنے کی عادت بنا لینا نہایت ہی ضروری ہے۔ تاکہ تم سورج نکلنے سے پہلے نہانا دھونا وغیرہ اپنی روزانہ ضروریات سے فارغ ہوکر اپنے آج کے کاموں میں دلی توجہ کے ساتھ لگ سکو۔ اگر سست بن کر دیر تک بسترے میں پڑے رہوگے۔ تو پھر دلی طاقت اَور جسمانی قوت کیونکر بڑھا سکوگے۔ یاد رکھو۔ اگر تم اپنے نقصوں کو چھوٹا سمجھکر ان کے دُور کرنے کی طرف دھیان نہ دوگے۔ تو دُکھ پاؤگے۔ جو لوگ دیر تک بسترے میں پڑے رہتے ہیں۔ وہ کبھی بشاش اَور تر و تازہ نہیں رہتے۔ بلکہ ہمیشہ ہی چڑچڑے۔ سست۔ کمزور اور زود رنج ہو جاتے ہیں۔ ان کے چہرے پر اداسی چھائی رہتی ہے۔ اَور چُستی و چالاکی ان سے دُور بھاگ جاتی ہے۔ اور وُہ اپنے روزمرّہ کے فرائض کو بھی پوری توجہ سے ادا نہیں کر سکتے۔ بھلا سوچو تو سہی کہ تم دیر تک سوئے رہنے کی بُری عادت کی وجہ سے کِسقدر نقصان اُٹھا رہے ہو۔

شرابی جو ہر روز شراب پیتا ہے۔ اُس کے دل میں یہ سما گیا ہے۔ کہ شراب پینے سے اُس کا جسم مضبوط اَور تندرست رہتا ہے۔ اور کام بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ مگر سچ یہ ہے۔ کہ اس کا جسم خراب ہوتا جاتا ہے صحت بگڑتی جاتی ہے۔ اَور کام بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کا دماغ بہک جاتا ہے۔ اسی طرح ایک آلسی اَور سست آدمی یہ خیال باندھ لیتا ہے۔ کہ زیادہ دیر تک بسترے میں پڑے رہنے اَور آرام کرتے رہنے سے وُہ اپنی صحت اَور جسم کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ اور کمزوری۔ اُداسی۔ سستی اَور گھبراہٹ کو دُور کرنے کے لئے اس کا دیر تک سوتے رہنا ہی اچھا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھتا۔ کہ اُسکی جسمانی اور

دماغی سب ہی شکایتیں اسی بری عادت کیوجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ دیر میں اُٹھنے کی بُری عادت سے جو نقصان پہنچتا ہے۔ اس سے بہت سے لوگ ناواقف ہیں۔ یعنی اُنہیں دلی خوشیوں کا نقصان۔ جسمانی طاقتوں کا نقصان اور رُوحانی آنند کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

سویرے اُٹھکر اپنا کام شروع کر دینا چاہیئے۔ اگر کوئی خاص ضرورت نہ بھی ہو۔ تب بھی جلدی اُٹھکر باہر سیر کرنے کے لئے چلے جاؤ۔ قدرت کے نظاروں کو دیکھو۔ پرندوں کے چہچہے سنو۔ سورج نکلنے سے پہلے شفق کا جلوہ دیکھو۔ آہا! ان نظاروں کے اندر۔ پرماتما کی بچیتر (گوناگون) لیلا کو دیکھو۔ ایسا کرنے سے تمہیں چستی۔ چالاکی۔ پھُرتی۔ ترو تازگی خوشی اور فرحت ملیگی۔ اور تمہارے جلدی اُٹھنے کا پھل تم کو مل جائے گا۔ ایک دفعہ کوشش کر کے دیکھو تو سہی۔ ایک دفعہ کوشش کرنے سے دوبارہ کوشش کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جلدی اٹھنے کی عادت کر لینے سے تمہارا دماغ صاف اور خیالات پاک ہو جائیں گے۔ اور پھر تم آہستہ آہستہ غور و فکر۔ سوچ و بچار کرنے کے عادی ہوتے جاؤ گے۔ تمہاری زندگی کی مشکلیں تمہیں آسان ہوتی ہوئی نظر آئیں گی۔ اور تم اپنے کام دھندوں اور فرائض کو جنجال نہ سمجھ کر اُن کے کرنے میں خوشی محسوس کرو گے۔ اور پھر زندگی کی ہر ایک مشکل کو دانائی و استقلال کے ساتھ دور کرنے کے لئے اپنے دماغ کو مضبوط اور جسم کو آمادہ کر سکو گے +

پربھات (صبح صادق) کو دیوتاؤں کا وقت کہا گیا ہے۔ اس وقت میں ایک قسم کی پوتر شکتی (پاک طاقت) خاموشی اور شانتی پوشیدہ ہوتی ہے۔ وُہ مضبوط دل۔ اور طاقتور انسان کہ جو آرام کے بستر سے اُٹھکر نکلتے ہوئے سورج کے درشن کرنے کے لئے کسی پہاڑ پر چڑھ جائے گا۔ وُہ سچائی اور آنند کے بہت اُونچے پربت پر بھی چڑھ سکیگا۔ سویرے ہی اُٹھکر ٹھیک وقت پر کام شروع کر دینے سے دل بھی خوش رہے گا۔ اور کھانا بھی خوشی سے کھایا جائیگا۔ دن بھر کے کام کاج بھی اچھی طرح پر پورے ہونگے۔ اور اِس طرح پر تمہارا دن مفید ثابت ہو گا۔

ایک طرح پر دیکھا جائے۔ تو ہر ایک نیا دن ایک نئی زندگی کا آغاز ہے۔ کہ جسمیں

انسان نئے ارادوں اور کاموں کو نئے جوش اور دانائی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ رات کو سونے کے بعد دوسری صبح ایک نئی زندگی کا آغاز لاتی ہے۔ کل کی خراب زندگی سے تم دکھ اور تکلیف اُٹھا چکے ہو۔ پاپ کرتے کرتے تھک گئے ہو۔ آؤ آج کے نئے دن میں ایک نئی زندگی، ایک اچھی زندگی بسر کرنے کی توقع کریں۔

کل کے پاپوں اور غلطیوں پر اتنا فکر و افسوس نہ کرو۔ کہ جس سے آج کے لئے اچھے کام کرنے اور نیک بننے کے لئے طاقت اور وقت ہی نہ رہے۔ بلکہ اس خیال کو ہی دل سے دور کر دو۔ کہ چونکہ کل تم نے بُرا کام کیا تھا۔ اس لئے آج اچھا کام نہیں کر سکتے۔ کل کے تجربہ سے فائدہ اُٹھا کر آج اپنی زندگی کو بدل ڈالو۔ اور کل کی نسبت آج اچھے طور پر کام کرنے کی کوشش کرو۔ آج کا دن ضائع نہ کرو۔ آج کے دن کو ٹھیک طرح پر شروع کرو۔ اگر آغاز درست ہوگا۔ تو پھر انجام بھی درست ہوگا۔ دن بھر کی کامیابی صبح کی ابتدا، پر ہی منحصر ہے۔

کسی خاص فرض اور ذمہ داری کے کام کو شروع کرنا۔ ایک اور ضروری آغاز ہے کہ جس کی طرف بخوبی دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ دیکھو مکان بنواتے وقت کن باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ سب سے پہلے کاغذ پر اس کا نقشہ تیار کیا جاتا ہے۔ اور پھر بنیاد رکھنے سے لیکر ختم ہونے تک ہر ایک حصہ نقشہ کے مطابق بنایا جاتا ہے۔ اگر شروع میں مکان کا نقشہ نہ بنایا جائے۔ تو ساری کوشش برباد جائے گی۔ کیونکہ اوّل تو مکان ٹوٹے پھوٹے بغیر تیار ہی نہ ہوگا۔ اور ہو بھی گیا۔ تو وہ بے ڈھنگا، نکما اور کمزور بنے گا۔ یہی اصول ہر ایک کام میں برتا جاتا ہے۔

خواہ کوئی بھی کام ہو۔ اس کے کرنے کا پہلا اصول اور مناسب آغاز یہ ہے کہ اس کے کرنے کا صحیح ڈھنگ اور ٹھیک ڈھانچہ دماغ میں بٹھا لیا جائے۔ ردّی اور بے ڈھنگے کاموں کو قدرت پسند نہیں کرتی۔ وہ بدانتظامی اور بھدے پن کی دشمن ہے۔ بلکہ یہ کہنا ٹھیک ہوگا۔ کہ بھدا پن اور بربادی ایک ہی حالت کے دو مختلف نام ہیں۔ کسی کام کا اچھا ڈھنگ اور اعلےٰ مقصد ہمیشہ ہی قائم رہتا ہے۔ جو شخص اپنے کاموں میں اس سچائی کو بھول جاتا

ہے۔ وہ کامیابی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

"بیڈھنگی زندگی اخیر دم تک ویسی ہی ناکارہ اور نکمّی رہتی ہے۔ کہ جیسی وہ شروع میں تھی ایسی زندگی میں صرف بے چینی کے ہی پھل لگتے ہیں۔ اور ابھی وہ آدھی بھی گذرنے نہیں پاتی۔ کہ انسان اس سے اُکتا جاتا ہے۔"

اگر تم کسی کام کو سوچے سمجھے بغیر یا اس کا ڈھانچہ اپنے دماغ میں تیار کئے بدون کرنا شروع کردوگے۔ تو اٹکل پچّو کوشش کرنے کی وجہ سے کبھی کامیابی کا منہ نہ دیکھ سکوگے۔ جو اصول مکان بنانے میں کارآمد ہیں۔ دوسرے کاموں میں بھی انہیں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اچھا نقشہ بنا لینے کے بعد اس کے پورا کرنے کے لئے بھی ٹھیک طور سے کوشش کی جانی چاہیئے۔ ایسا کرنے سے ہی پوری کامیابی اور آنند کے ساتھ کام ختم ہوگا۔

صرف بیوپار اور کاریگری کے کاموں میں ہی نہیں۔ بلکہ سب قسم کے کاموں میں یہی اصول کام دیتے ہیں۔ مصنّف کے کتاب لکھنے میں۔ مصوّر کے تصویر بنانے میں۔ لیکچرار کے لیکچر دینے میں۔ قومی سدھار کرنے والے کے سدھار میں۔ موجد کی ایجاد میں۔ جرنیل کے طریقہ جنگ میں۔ الغرض سبھی کاموں میں شروع کرنے سے پہلے ہوشیاری کے ساتھ کام کرنے کے ڈھنگ کا نقشہ دماغ میں بٹھا لینا پڑتا ہے۔ اگر نقشہ اچھا بنے گا۔ تو کام بھی اچھا ہوگا۔ اگر نقشہ خراب ہوگا۔ تو کام بھی خراب بنے گا۔ اسلئے کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے اس کام کے ہر ایک پہلو کو خوب سمجھ سوچ لینا چاہیئے۔ عقلمند وہی کہلاتا ہے۔ کہ جو نہ صرف کام کرنے کا علم رکھتا ہے۔ بلکہ ان کاموں کو شروع کرنے سے پہلے یہ بھی جانتا ہے۔ کہ اگر آغاز اچھی طرح سے کیا جائے گا۔ تو انجام بھی اچھا ہوگا۔ بیوقوف لوگ آغاز کو حقیر سمجھکر بے سوچے سمجھے انجام کو پکڑنے کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور اسی لئے ناکامیاب رہتے ہیں۔

اب میں تمہاری توجہ ایک اور آغاز کی طرف کھینچتا ہوں۔ ایک ایسا آغاز۔ ایک ایسی بڑی اور عظیم ابتدا کہ جس پر ہماری زندگی کے سکھ اور دُکھ۔ خوشی و غم منحصر ہیں۔ مگر افسوس کہ لوگ باگ عموماً اسے بھولے ہوئے ہیں۔ اکثر تو اسے سمجھتے ہی نہیں۔ اور جو تھوڑے

بہت سمجھتے بھی ہیں۔ وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ یعنی عمل کرنے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ وُہ آغاز یہ ہے۔ کہ جو خیالات ہمارے دماغ میں اُٹھتے رہتے ہیں۔ ان کی ابتداء ہمارے دل کی تہ میں پوشیدہ ہے۔ ہماری ساری زندگی ان نتیجوں کا ایک سلسلہ ہے۔ کہ جن کا سبب وہ خیالات ہوتے ہیں۔ انسان کا سارا چلن انہی خیالات سے بنتا ہے۔ سب ہی اچھے یا بُرے کام اندرونی خیالات کی بیرونی تصویریں ہیں۔ کہ جو پہلے دل میں چھپی رہتی ہیں۔ اور بعد میں کام کی شکل میں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ زمین میں ڈالا ہوا بیج ہی کسی درخت کی ابتدا ہے۔ بیج پھوٹتا ہے۔ اُگتا ہے۔ اور پھر روشنی میں آکر درخت بننے لگتا ہے۔ اور وقت آنے پہ بہت بڑا درخت بنجاتا ہے۔ اسی طرح پر دماغ میں آیا ہوا خیال انسان کے چال چلن کی ابتدا ہے۔ خیال اپنی جڑیں دماغ میں جماتا ہے۔ اور پھر کام کی شکل میں روشنی میں آتا ہے۔ اور نشو ونما پاکر انسان کا چال چلن بناتا ہے۔ یہی انسان کی تقدیر ہے۔ خیال کا ہی دوسرا نام قسمت یا تقدیر ہے۔

غصہ۔ حسد۔ لوبھ۔ لالچ۔ نفرت۔ دشمنی۔ تنگدلی سے بھرے ہوئے ناپاک خیالات غلط آغاز ہیں۔ جن سے انسان کو سوائے دکھ اور تکلیف کے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ بُرے خیالات کے پھل بھی بُرے ہی ہوتے ہیں۔ پریم۔ محبّت۔ انکساری۔ سیوا۔ رحمدلی اور فراخدلی سے بھرے ہوئے پاک خیالات صحیح آغاز ہیں۔ جن سے خوشی اور شانتی دینے والے نتیجے نکلتے ہیں۔ دیکھو یہ اصول کسقدر سادہ آسان اور درست ہے۔ لیکن افسوس کہ انسان کسقدر بھولا ہوا ہے۔ اور اسے حقیر، ادنےٰ اور فضول سمجھکر اُس کی طرف دھیان بھی نہیں دیتا۔ اور اپنے خیالات کو شتر بے مہار کی طرح اِدھر اُدھر آوارہ پھرتے رہنے کی اجازت دے دیتا ہے۔

جو مالی یہ جانتا ہے۔ کہ ہوشیاری کے ساتھ کیسے۔ کب اور کہاں بیج بویا جانا چاہیئے۔ وہ عمدہ پھل حاصل کرتا ہے۔ اور پھلوں کے لگانے اور زیادہ پیداوار بڑھانے میں اس کا تجربہ بڑھتا جاتا ہے۔ جو شخص استقلال کے ساتھ پاک خیالات کے بیج اپنے دماغ میں اچھی طرح اور مناسب وقت پر بونے کی ترکیب جانتا ہے۔ وُہ اپنی زندگی میں عمدہ پھل حاصل

کر کے سچائی کا خزانہ جمع کر لیتا ہے۔ اسی طرح اُس انسان کو سب سے زیادہ آنند ملتا ہے کہ جو اپنے دماغ میں پاک اور اعلیٰ خیالات کو نشو و نما کرتا ہے۔

"پاکیزہ خیالات سے پاک کام ظاہر ہوتے ہیں۔ پاک کاموں سے پاکیزہ زندگی بنتی ہے۔ اور پاکیزہ زندگی سے کامل آنند حاصل ہوتا ہے"۔ یہ ایک اٹل نیم ہے۔ اس پر عمل کرنا سیکھو۔

جو شخص اپنے خیالات کی بناوٹ اور مدّعا کی طرف دھیان رکھتا ہے۔ وہ خراب خیالات کو کبھی اپنے دماغ میں گھسنے نہیں دیتا۔ اور اگر کبھی آ بھی جائیں۔ تو انہیں فوراً باہر نکال کر اُن کی جگہ اچھے خیالات کو لانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا شخص آخر کار اس اصول سے واقف ہو جاتا ہے۔ کہ یہ اس کے اپنے خیالات ہی تو ہیں۔ کہ جن کا اثر اس کی زندگی کی رگ رگ پر پڑتا ہے۔ اور جن سے اس کی ساری زندگی بنتی ہے۔ جب وہ اس حقیقت کو صاف طور پر سمجھ لیتا ہے۔ کہ اس کے اپنے خیالات ہی اسکی زندگی کو بنانے یا بگاڑنے والے ہوتے ہیں۔ تو اس کی اندرونی آنکھیں کھُل جاتی ہیں۔ اور تب وہ صرف پاکیزہ خیالات کو ہی اپنے دماغ میں گھُسنے دیتا ہے۔ کہ جن سے آخر کار اُسے شانتی اور آنند ملتا ہے۔

خراب خیالات۔ گندے خیالات اور غلط خیالات پیدا ہونے وقت۔ بڑھتے وقت اور انجام پانے وقت تک دُکھ۔ تکلیف۔ مصیبت اور رنج کا باعث ہوتے ہیں۔ اور اُن کے پھل سخت کڑوے اور دُکھدائی ہوتے ہیں۔ اور بخلاف اِس کے پاکیزہ خیالات کے پیدا ہونے۔ بڑھنے اور انجام پانے تک آنند ہی آنند ملتا ہے۔

سکھ اور آنند حاصل کرنے کی خواہش رکھنے والے انسان کو بہت سے درست اور مناسب آغاز ڈھونڈنے اور ان پر عمل کرنے کی دل سے کوشش کرنی چاہیئے۔ ان آغازوں میں سب سے اعلیٰ اور ہمہ گیر آغاز کہ جو سب سکھوں کی جڑ ہے۔ دماغ میں آنے والے خیالات کی مناسب ابتدا ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ انسان خود ضبطی۔ قوّتِ ارادی (اِچھا شکتی) پاکیزگی۔ حلیمی۔ بُردباری۔ دانشمندی اور گیان

میں لگاتار آہستہ آہستہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس عمل سے زندگی بہتری کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔ کیونکہ جو شخص اس دنیا میں خوب سوچ بچار کر چلتا ہے۔ اس کے دُکھ دور ہو جاتے ہیں۔ اَور اس کا ہر لمحہ شانتی اَور آنند سے بھر جاتا ہے۔ اَور وُہ پُورن آنند کو پا لیتا ہے۔ دوسرا راستہ دِکھلانے سے پہلے میں پھر دھراتا ہوں۔ کہ ہمارے اپنے خیالات ہی ہماری تقدیر کو بنانے یا بگاڑنے والے ہیں؟

(۲) دُوسرا راستہ
چھوٹے چھوٹے کام اور فرائض

"ہمارے روزمرّہ کے کاموں اور فرائض کے پورا کرنے میں ہی وُہ کنجی موجود ہے۔ کہ جو ہمارے لئے بہشت کا دروازہ کھولیگی۔ جو شخص ٹھیک وقت پر وہاں پہنچے گا۔ وہ ہی اُس بہشتی نظارہ کو دیکھ سکیگا"

"اس ستارہ کی مانند کہ جو دُور آسمان پر لگاتار چمک رہا ہے۔ جو نہ دم لیتا ہے۔ نہ ٹھہرتا ہے۔ ہر انسان کو اسی طرح اپنے روزمرہ کے فرائض کے پورا کرنے میں حتی المقدور حوصلہ اور استقلال کے ساتھ لگاتار لگا رہنا چاہیئے" (گیٹی)

جسطرح صحیح آغاز سے سکھ اور غلط آغاز سے دکھ کا مِلنا ضروری ہے۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے کاموں اور فرائض سے بھی دکھ اور سکھ حاصِل ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ کہ کسی فرض کی ادائیگی میں ہی خود کوئی ایسی طاقت موجود ہے۔ کہ جو انسان کو سکھ یا دُکھ کا نذرانہ دیتی ہے۔ بلکہ سکھ یا دکھ دینے والی تو ہماری وہ دِلی حالت یا بھاؤ ہے کہ جس سے ہم اس فرض کو پورا کرتے ہیں۔ ہم دل کی جیسی حالت رکھکر اپنا فرض پورا کرنے کے لیئے تیار ہوتے ہیں۔ اور اسے پورا کرتے ہیں۔ ہمارا سکھ دکھ اسی حالت پر منحصر ہے۔ ایک شخص اپنے کام کو خوشی خوشی کرتا ہے۔ اور دوسرا شخص روجھینک کر کام تو دونو کو ہی کرنا پڑا۔ مگر ایک کو سکھ مِلا۔ اور دوسرے کو دُکھ۔ چھوٹے سے چھوٹے کام کو بھی بعبیر ضانہ طور پر دل لگاکر عقلمندی کے ساتھ کرنے میں نہ صرف بہت سکھ ہی ملتا ہے بلکہ کام کرنے کی بہت بڑی طاقت بھی حاصِل ہوتی ہے جس طرح بوند بوند کرکے گھڑا بھر جاتا ہے۔ قطرہ قطرہ مِلکر دریا بن جاتا ہے۔ ہماری ساری زندگی بھی اِسی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کے ملنے سے بنی ہوئی ہے۔ زندگی کے روزمرہ کے کاموں کو ٹھیک طرح

پر پورا کرنے میں ہی عقلمندی پائی جاتی ہے۔ دیکھو جب کسی شئے کے جُدا جُدا حصے خوب صورت اور مکمل ہوتے ہیں۔ تو وہ کُل شئے بھی مکمل اور خوبصورت نظر آتی ہے۔ یہی حال انسانی زندگی کا ہے۔ اگر ہمارا ہر ایک کام خوبصورت اور مکمل ہوگا۔ تو ہماری زندگی بھی خوبصورت اور مکمل ہوگی۔ اور اگر ہمارے کام ادھورے اور بیڈھنگے ہونگے۔ تو ہماری زندگی بھی ادھوری اور بے ڈھنگی ہوگی۔ دنیا میں ہر شئے چھوٹے چھوٹے ذرّوں سے بنی ہوئی ہے۔ چھوٹی چیزوں کی تکمیل سے ہی بڑی چیزوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگر دنیا کے کسی حصہ کی بناوٹ میں کمی رہ جائے۔ تو ساری دنیا میں کمی رہ جائے گی۔ اگر گھڑی کا ایک پُرزہ نکال ڈالو۔ تو وہ گھڑی نکمّی ہو جائے گی۔ مٹّی کے ذرّوں بغیر زمین نہیں بن سکتی۔ اگر مٹّی کا ننھّا سا ذرہ مکمل ہے۔ تو زمین بھی مکمل ہے۔ ایک چھوٹے سے کام کو بھول جانے سے بڑے کام میں بھی گڑبڑ مچ جاتی ہے۔ برف کا ایک گالہ بھی اتنا ہی مکمل ہے۔ جتنا ایک ستارہ۔ شبنم کا ایک قطرہ اتنا ہی سڈول ہے۔ جتنا ایک ستارہ۔ ایک ننھّا سا بھُنگا بھی اسی حساب اور اندازہ سے بنا ہوا ہے۔ جس حساب اور اندازہ سے ایک انسان۔ اینٹ پر اینٹ رکھنے اور انہیں سہاول کے ذریعہ ٹھیک طرح جما دینے سے آخر کار ایک خوبصورت مکان تیار ہو جاتا ہے۔ چھوٹے سے ہی بڑا بنتا ہے۔ چھوٹا بڑے کا غلام نہیں ہے۔ بلکہ اس کی رہنمائی کرنے والا اور راستہ دکھلانیوالا مالک ہے۔ "بچہ ہی انسان کا باپ ہے"۔

خود نما اور گھمنڈی لوگ بڑا بننا تو چاہتے ہیں۔ کوئی بڑا کام بھی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان چھوٹے چھوٹے کاموں کو ٹالتے جاتے اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کہ جن کا فوراً پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مگر جن کے کرنے میں نہ تو اُن کا نام ہوتا ہے۔ اور نہ واہ واہ ملتی ہے۔ وہ ایسے کاموں کو معمولی اور ادنےٰ سمجھکر ہاتھ لگانا اپنی کسرِ شان جانتے ہیں۔ بے سمجھ شخص میں چونکہ انکساری نہیں ہوتی۔ اس لئے اس میں عقل اور تمیز بھی کم ہوتی ہے۔ وہ شیخی سے پھُول کر ایسے کاموں میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ کہ جن کو پورا کرنے کی اس میں نہ طاقت ہے نہ لیاقت۔

بڑا آدمی اس لئے بڑا بن گیا ہے۔ کہ اس نے چھوٹے چھوٹے کاموں کو دل لگا کر کیا ہے اپنی خود غرضی۔ تکبّر۔ نام و نمود اور واہ واہ کی پرواہ نہیں کی۔ وہ اپنے نفس کو مار کر طاقتور بنا

ہے۔ دنیاوی شان و شوکت اور بڑائی کو تو اس نے کبھی ڈھونڈا تک نہیں۔ بلکہ دیانت داری ایمانداری۔ سچائی۔ بیغرضانہ سیلوا بھگتی اور نمرتا (انکساری) کے بھاؤ سے متحرک ہو کر ایسے کاموں کو پورا کیا ہے۔ کہ جن کے کرنے میں نہ تو اس کی تعریف ہوئی۔ نہ کوئی شاباش ملی۔ نہ ہی کوئی تحفہ تحائف ہاتھ آئے۔ ایسا شخص اپنی کوئی غرض نہ رکھکر سچائی کی پیروی کرتا ہے۔ روز مرہ کے معمولی فرائض اور کاموں کو پورا کرتا ہوا نامعلوم طور پر بہتر سے بہتر بنتا چلا جاتا ہے اور آخر کار خود بخود ہی عظمت کی چوٹی پر جا پہنچتا ہے۔ بزرگی حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ عام فرائض کو ہر روز ایمانداری سے پورا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر خود غرضی نہ آنے پائے۔ تو بڑائی خود بخود ہی آکر پاؤں چومے گی۔

بڑا آدمی (مہاپرش) اپنے ایک ایک پل کی۔ ذرا ذرا سی بات کی۔ منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک فقرہ کی۔ ذرا سے ہمدردانہ خط کی۔ کسی کو خندہ پیشانی سے خوش آمدید (جی آیاں نوں) کہنے۔ راستہ چلتے سلام بندگی، رام رام، نمسکار، نمستے کرنے۔ کھانے پینے سے کسی کو امداد دینے۔ دوسرے کے لئے ذرا سی کوشش کر دینے۔ کسی پر کچھ احسان کرنے اور اسی قسم کی سینکڑوں باتوں کی کہ جو روزمرہ پیش آتی رہتی ہیں۔ قدر و قیمت پہچانتا ہے۔ وہ ہر کام کو ایشور کی طرف سے تجویز کردہ کام سمجھتا ہے۔ وہ اپنا تو صرف یہ ہی فرض سمجھتا ہے۔ کہ اس وقت پیش آئے ہوئے چھوٹے سے چھوٹے کام کو بھی خوشی خوشی پورا کرے۔ کہ جس سے اس کی زندگی بہتر بنتی جائے۔ وہ کسی کام میں نہ تو غفلت کرتا ہے۔ اور نہ ہی جلدبازی دکھلاتا ہے۔ ہاں وہ غلطیوں اور حماقتوں سے بچتا ہوا موجودہ کام کو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ پوری توجہ کے ساتھ کرتا ہے۔ کسی کام کو نہ تو آئندہ کے لئے اٹھا رکھتا ہے۔ اور نہ ہی افسوس کرتا ہے۔ بلکہ رنج و خوشی کا خیال نہ کر کے اپنے آپ کو فرض کے پورا کرنے میں لگا دیتا ہے۔ اور بچوں کیسی سرلتا (بھولاپن) اور سبھاوک شکتی (فطرتی طاقت) کو نامعلوم طور پر حاصل کر لیتا ہے۔ کہ جس کو بزرگی۔ بڑائی۔ عظمت یا مہانتا کہتے ہیں۔

مہاتما کنفوشس (چین کا مہاپرش) کا اپنے شاگردوں کو یہ اپدیش تھا۔ کہ "اپنے گھر میں بھی اسی طرح اور ویسی ہی تیاری کے ساتھ کھانا کھاؤ۔ کہ جیسے کسی راجہ کی دعوت

ہیں کھاتے ہو۔ یہ اپدیش چھوٹی چھوٹی باتوں کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔ مہاتما بُدھ کا فرمان ہے۔ کہ "اگر کسی کام کو کرنا ہے۔ تو خواہ وُہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ پوری طاقت اور دلی توجہ کے ساتھ کرنا چاہیئے۔" چھوٹے چھوٹے کاموں میں غفلت کرنا یا انہیں بے دلی اور بُری طرح پر کرنا کمزوری اور نادانی کی علامت ہے۔

ہر ایک کام کو بے غرضانہ طور پر پوری توجہ کے ساتھ کرنے سے انسان کے اندر قدرتی طور پر بڑے بڑے فرائض کو پورا کرنے کی طاقت آجاتی ہے۔ کیونکہ فرض کو ٹھیک طور پر پورا کرنے سے طاقت بڑھتی۔ عقل روشن ہوتی۔ دِلی خوشی ملتی۔ اور چال چلن پختہ ہوتا ہے۔ جیسے قانونِ قدرت کے مطابق درخت میں پھول نکل آتے ہیں۔ ویسے ہی فرض کو پورا کرنے سے انسان خود بخود ہی پُرعظمت بن جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر ایک کوشش اور تدبیر کو پوری طاقت اور لگاتار محنت کے ساتھ مناسب جگہ اور وقت پر استعمال کرتا ہے۔ جس سے نہ طاقت ضائع ہوتی ہے۔ نہ جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ پریم اور میل پیدا ہو کر اس کی زندگی اور چال چلن بہتر سے بہتر ہوتے جاتے ہیں۔

ایکا گرتا (یکسوئی دِل) اور اچھا شکتی (قوت ارادہ) کو بڑھانے کے لیئے دنیا میں اس وقت بے شمار طریقے بتلائے جاتے ہیں۔ مثلاً سانس کا روکنا۔ یوگ کے آسن لگانا۔ کسی خاص نقطہ یا تصویر پر نگاہ جمانا وغیرہ۔ اسی طرح کے بیسیوں اور طریقے۔ مگر یہ سب بناوٹی۔ غیر قدرتی اور دھوکے میں ڈالنے والے ہیں۔ یہ طریقے صرف فضول ہی نہیں۔ بلکہ انسان کی توجہ کو اصلی اور ضروری باتوں کی طرف سے ہٹا کر راہِ حق سے دُور لیجانے والے ہیں۔ اگر انسان ٹھیک راستہ پر چلے۔ اور اپنے روزانہ کاموں کو سرگرمی اور پوری توجہ کے ساتھ کرتا رہے۔ تو دِل کی یکسوئی اور قوتِ ارادہ قدرتی طور سے بڑھتے جاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ اچھے اچھے لوگ بھی ادائیگی فرائض کے اس درست طریقے کو بھولے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس میں کچھ قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اور اپنے من کو مارنا پڑتا ہے۔ ہاں لوگ تو یہ چاہتے ہیں۔ کہ چھو منتر کی گولی سے ان کا بیڑا پار ہو جائے۔ ہلدی لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ آوے چوکھا۔ مگر ایں خیال است و محال است و جنون۔

آتمک شکتی (روحانی طاقت) حاصل کرنے کے لئے غیر طبعی طریقوں سے جسم کو تکلیف دینا نہ صرف غلط بلکہ نقصان دِہ بھی ہے۔ مثلاً پنچ اگنی تپنا۔ ہاتھ یا ٹانگیں سکھا لینا۔ جسم کو زنجیروں سے مار مار کر زخمی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ دیکھو بچپن سے جوانی تک پہنچنے کے لئے کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ بچہ آہستہ آہستہ روز بروز بڑھتا جائے۔ چلنے پھرنے۔ بڑا ہونے اور جوانی تک پہنچنے میں کئی برس لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح نادانی سے دانائی۔ لاعلمی سے علم۔ کمزوری سے طاقت آہستہ آہستہ ہی حاصل ہوا کرتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ لگاتار سوچ بچار کے ساتھ کوشش پر کوشش اور کام پر کام کرتا ہوا ہر روز آہستہ آہستہ آگے بڑھنا سیکھے۔

یہ سچ ہے۔ کہ کوئی سادھو سمادھی اور آسن وغیرہ کی مشق کرتا ہوا اپنے جسم کو لگاتار تکلیف پہنچا کر کسی حد تک ایک قسم کی طاقت حاصل کر لیتا ہے۔ مگر اسے یہ طاقت بھاری قیمت ادا کرنے پر ملتی ہے۔ کیونکہ یہ طاقت کسی دوسرے پہلو میں کسی اور طاقت کو گنوا کر ہاتھ لگتی ہے۔ اور ایسا شخص کبھی بھی پختہ مفید اور با اصول انسان نہیں بنتا۔ ہاں وہ ایک مداری کی طرح کچھ کرتب دِکھلا سکتا ہے۔ مگر اس کی زندگی ادھوری رہتی ہے۔

سچی روحانی طاقت یہ ہے۔ کہ انسان چڑچڑے پن۔ بے سمجھی۔ جلد بازی اور دوسری اخلاقی کمزوریوں کو جو کہ ہماری روزمرّہ کی زندگی کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ اور ذرا سا اشتعال ملنے پر آموجود ہوتی ہیں۔ اپنے قابو میں رکھے۔ سچی روحانی طاقت یہ ہے۔ کہ انسان اس وقت شانتی۔ دھیرج (حوصلہ) صبر اور برداشت کی طاقت کو دکھلائے۔ جبکہ وہ دنیاوی فرائض کو ادا کر رہا ہو۔ اور جب اس کے چاروں طرف جوش میں آئے ہوئے اور بھڑکے ہوئے لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہو۔ اس سے کم کوئی چیز بھی سچی طاقت نہیں کہلا سکتی۔ روزمرہ کے کام اور فرائض کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت طریقوں۔ بغیر ضدانہ بھاؤ۔ اور ٹھیک طور پر پورا کرنے سے روحانی طاقت خود ہی آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے۔

سچا گرو وہ نہیں ہے۔ کہ جو اپنے پوشیدہ روحانی کرتبوں کے ذریعہ تو لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ مگر ذرا سی بات سے بھڑک کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور کئی دفعہ چڑچڑا پن ناراضگی حماقت یا کسی اور قسم کی بُری عادت کا شکار بن جاتا ہے۔ بلکہ سچا گرو وہ ہے۔ کہ

جو ہر وقت اور ہر موقع پر اپنی برداشت کی طاقت کو ظاہر کرتا ہے۔ جو غصہ کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتا۔ جو شانتی دھیرج اور مستقل مزاجی کا مالک ہے۔ جو اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے۔ اور بھڑکائے جانے پر بھی نہیں بھڑک اُٹھتا۔ وہی سچی طاقت رکھتا ہے۔ اس کے سوائے جو کچھ ہے وہ طاقت نہیں بلکہ دھوکا اور ہتھ ناٹک ہے۔

انسان کو چاہیئے۔ کہ جب اس کے سامنے کوئی کام ہو۔ تو خواہ وُہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اسے پوری دلی طاقت اور توجہ سے کرے۔ اپنے خیال کو کسی اور طرف نہ جانے دے۔ اور نہ ہی انعام یا تعریف کا خیال دِل میں آنے دے۔ ایسا کرنے سے وہ اپنے دِل پر زیادہ سے زیادہ قابو پاتا جائے گا۔ اور اس طرح پر ترقی کرتا ہوا وہ آخر کار سچی روحانی طاقت کا مالک بن جائے گا۔

موجودہ کام میں اپنے آپ کو ایسی تن دہی سے لگاؤ۔ اور اسے ایسی دِلی توجہ سے کرو۔ کہ وہ کامل طور پر پورا ہو جائے۔ دل کی یکسوئی۔ قوتِ ارادہ اور طاقت کی ترقی کا درست طریق یہی ہے۔ جنتر منتر وغیرہ فضول تدبیروں کے پیچھے نہ بھاگو۔ ترقی کرنے کا ہر ایک طریقہ اور ذریعہ تمہارے اپنے ہاتھ میں اور تمہارے اپنے ہی دِل میں ہے۔ تمہیں صرف یہ سیکھنا ہے۔ کہ تم جس حالت میں ہو۔ اسمیں ہی اچھی طرح سے اپنے آپ کو لگا دو۔ جب تک ایسا نہ کرو گے۔ تب تک وہ بہترین حالتیں کہ جو تمہارا انتظار کر رہی ہیں تمہیں نہیں مِل سکتیں۔

طاقت اور دانائی حاصل کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے۔ کہ موجودہ وقت کا پوری طاقت اور دانائی کے ساتھ استعمال کرو۔ موجودہ وقت اپنا کام خود ہی اپنے ساتھ لاتا ہے۔ تمہارا صرف یہی کام ہے۔ کہ اس کو اچھی طرح سے پورا کرو۔

بڑا آدمی۔ دانا آدمی ادنےٰ کاموں کو بھی بڑے کاموں کی طرح کرتا ہے۔ وہ کسی کام کو بھی ادنےٰ یا چھوٹا نہیں سمجھتا۔ لیکن چھوٹے دِل والا بے وقوف بے سمجھ شخص چھوٹے کاموں کو لاپرواہی اور بے دِلی سے کرتا ہے۔ اور بڑے کاموں کے پیچھے بھاگتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا۔ کہ چھوٹے کاموں کو لاپرواہی اور بھدے پن سے کر کے وہ دنیا کے سامنے اپنی ناقابلیت اور بے ہمتی ظاہر کر رہا ہے۔ جو شخص اپنے آپ پر قابو نہیں پا سکتا۔ وہ ہمیشہ دوسروں پر حکومت

کرنے اور بڑی ذمہ واریوں کو قبول کرنے کا خواہشمند رہتا ہے" جو شخص اپنے فرض کو ادنے سمجھ کر پورا نہیں کرتا۔ وہ اپنے آپ کو دہوکا دیتا ہے۔ کسی فرض کو ادنیٰ سمجھکر پورا نہ کرنا سہری بات نہیں۔ بلکہ بڑی نقصان دہ ہے"۔

جس طرح سے کسی کام کو ہمت اور طاقت کے ساتھ کرنے سے اور بھی زیادہ طاقت ملتی۔ اسی طرح سے اُس کام کو بیدلی کے ساتھ کرنے سے کمزوری بڑھتی ہے۔ انسان اپنے آپ کو چھوٹے چھوٹے فرائض کے پورا کرنے میں جیسا ظاہر کرتا ہے۔ ویسی ہی اسکی ساری زندگی اور چلن بن جاتا ہے۔ کمزوری سے اتنا ہی دکھ پیدا ہوتا ہے۔ جتنا پاپ سے۔ جب تک انسان میں کیرکٹر کی طاقت نہیں ہوتی۔ اُسے سچا آنند نہیں مل سکتا۔ کمزور شخص جب چھوٹے چھوٹے کاموں کو پوری توجہ کے ساتھ کرنا شروع کرتا ہے۔ تو اس میں طاقت آجاتی ہے۔ اور طاقتور شخص جب ان کو لاپروائی اور بیدلی سے کرنا شروع کرتا ہے۔ تو وہ کمزور ہوجاتا ہے۔ اور اپنی پہلی سمجھ اور طاقت کو بھی کھو بیٹھتا ہے۔ "جس کے پاس ہے۔ اس کو اور زیادہ دیا جائے گا۔ اور جس کے پاس نہیں ہے۔ اس سے وہ بھی چھین لیا جائے گا۔ جو تھوڑا سا اُس کے پاس ہے"۔

مسیح کے اِن الفاظ میں بکاش یعنی ترقی بتدریج کے اصول کو بیان کیا گیا ہے مگر لوگوں نے اس اصول کو بہت ہی کم سمجھا ہے۔ انسان اپنے ہر ایک خیال کے ساتھ ہی ساتھ جیسے وہ سوچتا ہے۔ ہر ایک لفظ کے ساتھ ہی ساتھ جیسے وہ بولتا ہے۔ ہر ایک کام کے ساتھ ہی ساتھ جیسے وہ کرتا ہے۔ یا تو کچھ حاصل کرتا ہے۔ یا گنوا تا ہے۔ انسان کا چال چلن پل پل میں اچھا ہوتا یا بگڑتا رہتا ہے۔ اس میں کچھ جمع ہوتا ہے۔ یا کم ہوتا ہے۔ اور یہ کمی بیشی اس کے ہر ایک خیال۔ ہر ایک کلام اور ہر ایک عمل کے ساتھ ہی ساتھ فوراً واقع ہوتی رہتی ہے۔

جو چھوٹی باتوں پر حاوی ہوجاتا ہے۔ وہ بڑی باتوں کا بھی حقدار بن جاتا ہے۔ لیکن جو ادنے سے ہی مغلوب ہوجاتا ہے۔ وہ اعلےٰ پر فتح نہیں پا سکتا۔ انسانی زندگی ایک کواپریٹو ٹرسٹ کی مانند ہے۔ کہ جس کی حالت اور صورت

ویسی ہی ہوتی ہے۔ جیسی اس کے فرداً فرداً اجزا کی۔ یعنی اگر ایک حصہ ناقص ہے۔ تو کُل بھی ناقص ہوگا۔ اَور اگر ہر ایک حصّہ درست اور باترتیب ہے۔ تو کُل بھی درست اَور باترتیب ہوگا۔

ایک کامیاب بیوپار۔ ایک مکمل مشین۔ ایک عالیشان مندر یا ایک عمدہ چال چلن۔ اپنے مختلف حصوں کی مکمل ترتیب پر منحصر ہوتا ہے۔

نادان شخص خیال کرتا ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے نقص۔ چھوٹی چھوٹی غلطیاں۔ چھوٹی چھوٹی کمزوریاں۔ چھوٹے چھوٹے پاپ کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ اس لئے وہ ان کی طرف دھیان ہی نہیں دیتا۔ وہ اس دھوکے میں پڑا ہوا ہے۔ کہ جب تک وہ کوئی سخت بدچلنی نہیں کرتا۔ تب تک وہ نیک۔ پاک اور دھرماتما ہے۔ مگر ایسا خیال کرنے سے وہ اپنی رہی سہی نیکی اور پاکیزگی بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اور دنیا اُسے اس کے اصلی رُوپ میں دیکھ لیتی ہے۔ تب اس کی نہ عزت رہتی ہے۔ نہ مان۔ نہ کوئی اس کی قدر کرتا ہے۔ نہ پرواہ۔ اس کا رعب و داب سب جاتا رہتا ہے۔ قدر گھٹ جاتی ہے۔ ایسا شخص اگر لوگوں کو نیک بنانے کی کوشش کرے۔ اَور عوام الناس کو بڑے بڑے عیوب چھوڑنے کا اپدیش دے۔ تو اس کی ایسی کوشش لاحاصل اَور بے سود ثابت ہوتی ہے۔ چونکہ وہ اپنے نقصوں کو بجائے دُور کرنے کے بہت ہی چھوٹا اور حقیر سمجھتا ہے۔ اس لئے اس کا چال چلن بھی حقیر ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی بھی ادنےٰ سمجھی جاتی ہے۔ وہ جس ہلکے پن اَور بیہودگی سے عیب کرکے اپنی کمزوری ظاہر کرتا ہے۔ اس کا پھل اسے یہ ملتا ہے۔ کہ نہ اس کی عزت ہوتی ہے۔ نہ اسے کوئی پوچھتا ہے۔ کیونکہ بدی اَور عیب کرنے والے کو کون منہ لگائے؟ اس لئے اس کا کام سپھل نہیں ہوتا۔ کیونکہ تنکے کا سہارا کون لے؟ کوئی اس کی بات نہیں سنتا۔ بھلا ایسے شخص کی بات کون سنے۔ جو نہ تو کچھ سمجھ رکھتا ہے۔ اور نہ خود عمل کرتا ہے۔ بلکہ وہ احساس اَور تجربہ سے بھی خالی ہے۔ کوئی دانا شخص چونٹیوں کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ اس کی تو وہی مثال ہوئی۔ کہ دیگراں را نصیحت و خود میاں فضیحت۔

دانا شخص اَور دانائی سیکھنے والا انسان اس خطرے سے واقف ہوتا ہے۔

جو ان معمولی عیبوں میں چھپا ہوا ہے۔ کہ جن عیبوں میں لوگ عموماً لاپرواہی کی وجہ سے مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ اس آزادی کو بھی دیکھتا ہے۔ اور پہچانتا ہے۔ جو ان عیبوں کو چھوڑنے اور پاک خیال و عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ جن کو اکثر لوگ غیر ضروری اور حقیر سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے من کو خاموشی کے ساتھ قابو میں لانے کی قدر و قیمت جانتا ہے۔ جسے دوسرے لوگ ظاہراطور سے دیکھ نہیں سکتے

جو شخص اپنے چھوٹے سے چھوٹے نقص کو بھی بڑا اور خطرناک سمجھتا ہے۔ آخرکار وہ سادھو اور مہاتما بن جاتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے۔ کہ اس کے ہر ایک خیال اور عمل سے کس قدر اچھا یا بُرا اثر پڑ سکتا ہے۔ وہ خوب پہچانتا ہے۔ کہ روزمرہ کے اچھے یا بُرے اعمال سے ہی اس کا اپنا چال چلن اور زندگی بہتر ہوتی ہے۔ یا بگڑتی ہے۔ ان باتوں پر بخوبی غور کر کے وہ اپنی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا ہے۔ وہ دھیرے دھیرے۔ قدم بقدم اپنے آپ کو شدھ اور پاک طینت بناتا چلا جاتا ہے۔ اور اس طرح پر اپنے آپ کو ادھورا نہیں۔ بلکہ پورا انسان بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

جسطرح سمندر قطروں سے۔ زمین ذرّوں سے اور تارے روشنی کے نقطوں سے بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح انسانی زندگی خیالات اور اعمال سے بنی ہوئی ہے۔ بدون ان کے زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ ہر ایک انسان کی زندگی ویسی ہی ہوتی ہے۔ جیسے اس کے خیال اور اعمال ہوتے ہیں۔ انہیں خیالات اور اعمال کا مجموعہ وہ انسان ہر پل پل مل کر سال بنتا ہے۔ سلسلہ وار خیالات اور اعمال کے ملاپ سے انسانی زندگی اور اس کا چال چلن بنتا ہے۔ جس طرح کے جدا جدا حصے ہونگے۔ اسی قسم کا وہ سب کا سب یا سموچا ہوگا۔ یعنی ان سے اسی قسم کی مکمل چیز تیار ہوگی۔

"سال عام موسموں کے ملاپ سے بنا ہوا ہے۔ سب قسم کی اشیا کا مجموعہ کرۂ ارض ہے۔" دوسروں کا بھلا کرنے۔ دوسروں پر مہربانی کرنے۔ فراخدلی رکھنے۔ اور قربانی (آتم سمرپن) یا تیاگ کرنے سے انسان کا چال چلن نیک اور اچھا بنتا ہے۔ آتم تیاگ (اپنت کی قربانی) برداشت اور درگذر کر کے اپنی خودی پر فتح پانے سے انسان

کا چال چلن مضبوط اَور اعلیٰ بنتا ہے۔ دیانتدار آدمی اپنی زندگی کے چھوٹے چھوٹے بیوپار میں بھی کھرا پن قائم رکھتا ہے۔ اَور نیک آدمی اپنے ادنےٰ سے ادنےٰ کلام اَور عمل میں بھی شرافت دِکھلاتا ہے۔

یہ سمجھ لینا۔ کہ ہماری زندگی ہمارے خیال اَور اعمال سے بالکل جُدا ہے سخت غلطی ہے۔ یاد رکھو۔ کہ پل بھر میں گذر جانے والے خیال اَور عمل میں ہی درحقیقت زندگی کی بنیاد اور اصلیت ہے۔ جب یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ تو ہر ایک چیز پاک دکھائی دینے لگتی ہے۔ اور ہر ایک کام دھرم کا کام ہو جاتا ہے۔ زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے بیوہار میں ہی سچائی موجود ہے۔ کسی بات کو ادھورا نہ چھوڑنے میں ہی قابلیت اَور دانائی ہے۔

"مال و دولت برباد ہو جاتے ہیں۔ رائیں بدل جاتی ہیں۔ من کی دوڑیں آج کچھ اَور کل کچھ اور ہو جاتی ہیں۔ لیکن فرض نہ کم ہوتا ہے۔ نہ ہی دبایا جا سکتا ہے۔ بلکہ حالات کے طوفان میں بھی اٹل کھڑا رہتا ہے"۔

ساری زندگی ایک ہی دفعہ نہیں گزر جاتی۔ بلکہ پل پل کر کے آہستہ آہستہ گزرتی ہے۔ اَور انہی پلوں سے کُل زندگی بنی ہوئی ہے۔ اگر تمہارا دل چاہے۔ تو اپنے ہر ایک پل کو اچھی طرح سے گزار سکتے ہو۔ اور اگر ایسا ہو سکے تو پھر ساری زندگی میں بُرائی کا نام و نشان بھی نہ ملے گا۔ یہ کہاوت کہ "اگر تم اپنے پیسوں کو سنبھال کر رکھوگے۔ تو روپے اپنی حفاظت خود ہی کر لینگے"۔ صرف دنیاوی بیوہار میں ہی ٹھیک نہیں بیٹھتی۔ بلکہ روحانی دنیا میں اور بھی زیادہ ٹھیک اُترتی ہے۔ جو کام اب ہو رہا ہے۔ اگر یہ سمجھ کر اسکی طرف پورا دھیان دیا جائے۔ کہ ایسا کرنے سے ہی کل زندگی اور سارا چال چلن سدھرتا ہے۔ تو یہ تمہاری بڑی عقلمندی اَور دانائی ہوگی۔ اگر تم اپنے موجودہ کام کو قابلیت سے پورا کروگے۔ تو بڑے بڑے اَور قابلِ تعریف کام خود ہی ٹھیک طور پر پورے ہو جائینگے۔

تمہارے سپرد جو کام ہیں۔ ان میں رُکاوٹیں اَور اُلجھنیں پیش آجانے پر مت گھبراؤ۔ بلکہ انہیں بےغرضانہ طور سے کئے جاؤ۔ لاپرواہی اَور بےچینی کو اپنے پاس

نہ بھٹکنے دو۔ اور نہ ہی بڑے بڑے کاموں کے احمقانہ خیال کی طرف بھاگو۔ بلکہ اپنی ساری توجہ کام کی طرف لگادو۔ ایسا کرنے سے وہ بڑائی کہ جس کے لئے تم بے صبر ہو رہے ہو۔ خود ہی تمہاری طرف آتی ہوئی دکھائی دیگی۔ چڑچڑا پن سے بڑھکر کوئی کمزوری نہیں ہے۔ تم اندرونی شرافت اور نیکی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ نہ کہ بیرونی واہ واہ کی۔ تم جس حالت میں اب ہو۔ اسی میں اس کو حاصل کرنا شروع کردو۔

جو تکلیف اور مشکل تم اپنے کام میں دیکھ رہے ہو۔ وہ دراصل اس کام میں نہیں ہے بلکہ تمہارے دل میں ہے۔ اگر اس کام کے متعلق تم اپنے دلی خیال کو بدل دو۔ تو تیرا تمھارا رستہ فوراً سیدھا اور آسان بن جائے گا۔ دکھ اور تکلیف۔ راحت اور خوشی میں بدل جائیں گے۔

تم اپنے ہر ایک لمحہ کو پاک اور مفید بنانے کی کوشش کرو۔ ہر ایک کام کو دلی شوق اور بے غرضانہ بھاؤ سے کرو۔ اپنے ہر ایک خیال۔ کلام اور عمل کو پُرمسرت اور شیریں بناؤ۔ سچائی کی پیروی کرو۔ مشق اور تجربہ سے یہ سیکھو۔ کہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں کے اندر ہی بڑائی اور عظمت چھپی ہوئی ہے۔ اور اس طرح پر آہستہ آہستہ تم لاانتہا زمانہ تک قائم رہنے والی خوشی کو حاصل کر لوگے۔

تیسرا راستہ دکھلانے سے پیشتر تم کو پھر یاد دلاتا ہوں۔ کہ روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کاموں کے اندر ہی عظمت چھپی ہوئی ہے۔

تیسرا راستہ

مشکلات اور اُلجھنوں پر فتح!

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود ❖ مرد باید کہ ہراساں نہ شود

کوئی مشکل ایسی نہیں ہے۔ کہ جو آسان نہ ہو سکے۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ وہ کبھی ہمت نہ ہارے۔ جو شخص انسان بننا چاہتا ہے۔ اس کو چاہیئے۔ کہ اپنے دل کی سلطنت پر حکومت کرے۔ اور خود ہی اس کا واحد مالک ہو۔ امید اور نا امیدی کی بغاوت کو دبا کر اور خواہشوں کی سرزمین کو فتح کرکے اس پر اپنا تخت بنائے (شیلے)

کیا تم نشانہ چُوک گئے ہو؟ چُوک گئے تو کیا ہوا۔ اب بھی تو نشانہ چمکتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ کیا تم دوڑتے دوڑتے تھک گئے ہو؟ تھوڑی دیر دم لے لو اور پھر کوشش کرو۔ (الا ویلر ولکاکس)

یہ کہنا کہ مصیبت اور بے چینی سے بھی کچھ آنند حاصل ہو سکتا ہے۔ بہت سے لوگوں کو بیہودہ سی بات معلوم ہوگی۔ لیکن سچائی ہمیشہ بعید از عقل دکھائی دیتی ہے۔ بیوقوف جسے دکھ سمجھتا ہے۔ دانا اسی کو سکھ جانتا ہے۔ مشکلات جہالت اور کمزوری کا نتیجہ ہیں۔ مشکلات اسی لئے آتی ہیں تاکہ تم اپنے گیان اور طاقت کو بڑھانا سیکھو۔ سچائی کی زندگی سے جُوں جُوں سمجھ بڑھتی جاتی ہے۔ توں توں مشکلات کم ہوتی جاتی ہیں۔ اور الجھنیں دُھند کی طرح اُڑتی جاتی ہیں۔ تمہاری مشکل در اصل اس حالت یا کام میں نہیں ہے۔ کہ جس سے یہ پیدا ہوئی ہے۔ بلکہ تمہارے اس دلی بھاؤ میں ہے کہ جس سے تم اس کام کو دیکھتے ہو اور کرنا چاہتے ہو۔ بچہ کو جو کام مشکل نظر آتا ہے۔ عقلمند انسان کو وہی آسان دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح ایک ناسمجھ آدمی کو جو کام مشکل ہے سمجھدار کے لئے اُس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔

بے سمجھ بچے کو ایک معمولی سا سبق بھی بہت مشکل معلوم ہوتا ہے اور اس مشکل کو عبور کرنے میں اُسکو کتنی محنت اور کتنی سردردی کرنی پڑتی ہے۔ اُس نے کتنا وقت خرچ کیا ہے۔ اس مشکل کی اُونچی دیوار کو پھاندنے کیلئے اُس نے نااُمیدی کے خیال سے کتنے آنسو بہائے ہیں۔ حالانکہ مشکل تو بچے کی بے سمجھی اور نادانی میں ہے اس مشکل پر فتح پانا اور اُسے حل کرنا اس بچہ کی سمجھ۔ سُکھ۔ بھلائی اور علم کی ترقی کیلئے بہت ہی ضروری ہے۔ تاکہ اُسکی زندگی مفید بن سکے۔

بچے کی مذکورہ بالا مثال کیطرح انسان کی ترقی اور عروج کیلئے بھی مشکلات پر فتح پانا اور اُنہیں عبور کرنا ضروری ہے۔ ایک مشکل پر فتح پاتے ہی تمہارا تجربہ سمجھ اور علم بڑھ گئے۔ جسکے یہ معنی ہیں کہ تم نے ایک قیمتی سبق سیکھ لیا۔ اور ساتھ ہی ایک کام کو کامیابی کے ساتھ پورا کرنے کے آنند کو بھی حاصل کرلیا۔ دراصل مشکل ہے کیا چیز؟ کیا مشکل اس حالت کا نام نہیں کہ جو پورے طور پر سمجھ میں نہیں آتی۔ اور جسکا حل ابھی تک نہیں سُوجھا۔ اسلئے یہ ضروری ہُوا کہ اپنی عقل اور ہمت کو پہلے کی بہ نسبت زیادہ خرچ کیا جائے۔ یہ ایک ایسی ضرورت ہے کہ جس میں ہمیں اپنی پوشیدہ طاقت اور وسائل کو استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اسلئے مشکل ایک بھیس بدلا ہُوا فرشتہ ہے۔ کہ جو انسان کا دوست اور اُستاد ہے اور جس کی بات کو شانتی سے سُننے اور ٹھیک طور پر سمجھ لینے سے بڑا آنند اور اعلیٰ گیان حاصل ہوتا ہے۔

مشکلات کے بدوں کسی قسم کی ترقی۔ فراخی یا کشادگی نہیں آسکتی۔ اگر دُنیا میں مشکلات نہ آئیں تو دُنیا کا کام ہی بند ہو جائے اور انسان بیکاری کی وجہ سے نیست و نابود ہو جائے۔

جب رکاوٹیں آکر حائل ہوں تو انسان کو خوش ہونا چاہیئے۔ کیونکہ رکاوٹوں اور مشکلات سے مقابلہ پڑ جانے کا یہ مطلب ہے کہ انسان کسی خاص پہلو میں حماقت اور لاپرواہی کی آخری حد تک پہنچ گیا ہے۔ اور اب اسکو اُن رکاوٹوں اور

مشکلات سے نِکلنے اَور ٹھیک راستہ تلاش کرنے کے لئے اپنی عقل اَور ہمّت کو پورے طور پر کام میں لانا پڑے گا۔ گویا اب اُسکی اندرونی طاقتیں اُسے زیادہ آزادی۔ ازحد کوشش اَور سرگرمی کیلئے بُلا رہی ہیں۔

کوئی حالت یا کام بطورخود تو مُشکل نہیں ہوتا۔ مُشکل تو اس میں ہے کہ ہم اُسکی پیچیدگیوں اَور باریکیوں کو سمجھنے کیلئے کافی طاقت اَور عقل خرچ نہیں کرتے۔ اس لئے کسی مُشکل پر فتح حاصل کرنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔

مشکلات اتفاقیہ اَور بے قاعدہ طور پر پیدا نہیں ہوتیں۔ اِن کے پیدا ہونے کے سبب ہوتے ہیں۔ انسانی ہستی کی ضروریات جُوں جُوں بڑھتی جاتی ہیں۔ مشکلات بھی نشو ونما (بکاش) کے اصول کے مطابق پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے مشکلات بطور برکت اَور فیض کے فضلِ الٰہی اَور آنند کے متشابہ ہیں۔ طرزِ زندگی کے ایسے طریقے بھی ہیں کہ جو انسان کو اُلجھنوں میں ضرور پھنساتے ہیں۔ اَور ایسے بھی ہیں کہ جو اُسے لازمی طور پر اُلجھنوں سے چھٹکارہ دلاتے ہیں۔ انسان اپنے آپ کو خواہ کتنا ہی کیوں نہ جکڑلے۔ مگر وہ اپنے آپکو اُن بندھنوں سے خود ہی چھُڑا سکتا ہے۔ انسان اپنی بے سمجھی اَور جہالت سے خواہ کیسے ہی دُکھوں کی دلدل اَور اُلجھنوں کے گھنے بن میں جا پھنسے وہ اُن سے نِکلنے کا راستہ ڈھونڈ سکتا ہے۔ اَور وہ عقل کی رہبری اَور آنند کے سایہ میں چلتا ہوا اعمالِ نیک کے خوشنما شہر میں پہنچنے والے سیدھے اَور بے خار راستہ پر واپس آسکتا ہے لیکن ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے اَور مایوس ہوکر رونے جھینکنے اَور رنج و غم کرنے سے وہ کبھی بھی اس راستہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اُسکی بے چینی صرف ہوشیاری سے سوچنے۔ عقل سے غور کرنے اَور شانتی کے ساتھ جانچ پڑتال کرنے سے ہی دُور ہو سکتی ہے۔ ہاں ایسی حالت میں یہ بات ضروری ہے کہ وہ اپنے دل پر قابو پائے۔ اپنے بھُولے ہوئے مقام پر واپس آنے کے لئے خُوب غور کرے۔ اَور لگاتار کوشش اَور ہمّت سے کام لے۔ گھبرانے اَور فکر کرنے سے تو مُشکل اَور

بھی بڑھتی ہے۔ اگر وہ صبر کے ساتھ اپنے دل سے پوچھے گا۔ اور جن خیالات کیوجہ سے اُس کی یہ حالت ہوئی ہے۔ اُن پر غور کرے گا۔ تو اُسے صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ اُس نے کہاں پر غلطی کھائی ہے۔ اور کہاں سے غلط راستہ اختیار کیا ہے تب اُسکو یہ بھی معلوم ہو جائیگا۔ کہ اگر وہ ذراسی عقل سے کام لیتا۔ ذرا زیادہ توجہ دیتا کفایت شعاری سے کام کرتا۔ سمجھ بوجھ کو کام میں لاتا۔ اتنا خود غرض نہ بنتا تو وہ اس مشکل اور تکلیف سے بچ جاتا۔ وہ صاف طور پر یہ بھی دیکھ لیگا کہ اُسنے کس طرح اپنے آپکو آہستہ آہستہ اُلجھنوں میں پھنسالیا ہے۔ اگر وہ ایسی غلطی نہ کرتا تو وہ راہ راست سے نہ بھٹکتا۔ ع: - چرا کارے کُند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ عقلمند شخص ایسا کیوں کرے۔ کہ جسکی وجہ سے اُسے پچھتانا پڑے۔

اسطرح پر وہ اپنی گذشتہ غلطیوں سے فائدہ اُٹھاکر دانائی اور تجربہ حاصل کر سکتا ہے۔ اسکی مشکلات ہلکی ہو جاتی ہیں اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنی عقل کی تیز روشنی میں ان مشکلات کی جانچ پڑتال کر سکے۔ اور جب وہ ہر پہلو سے اُنہیں پورے طور پر سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اُسے پتہ چل جاتا ہے کہ اُسنے کس اندرونی مدعا کو لے کر ایسا کیا تھا کہ جس سے وہ ان مشکلات میں پڑ گیا۔ پھر وہ مشکل مشکل نہ رہیگی۔ اور اُس سے نکلنے کا سیدھا راستہ نظر آجائیگا۔ اور اُسے ہمیشہ کیلئے ایک عمدہ سبق مل جائے گا۔ پھر اُسے ایک قسم کی دانائی اور روحانی خوشی کا حصّہ مل جائے گا۔ جو اُس سے کبھی جُدا نہ ہو سکے گا۔

انسان جہالت۔ خود غرضی۔ بے وقوفی۔ نادانی اور بے سمجھی سے مشکلات اور اُلجھنوں میں جا پھنستا ہے۔ بر عکس اسکے دانائی۔ بیغرضانہ پن۔ سمجھ بوجھ اور خود انکاری سے خوشی اور شانتی حاصل کرتا ہے۔ جو شخص اس اصول کو سمجھتا ہے وہ ہمّت اور حوصلہ سے مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اُن پر فتح پاکر دُکھ سے سُکھ۔ اشانتی سے شانتی اور بُرائی سے بھلائی حاصل کر لیتا ہے۔

ایسی کوئی بھی مشکل نہیں کہ جسکا حوصلے کے ساتھ مقابلہ کرکے انسان اُسے

جیت نہ سکے۔ گھبرا جانا فضول ہی نہیں بلکہ بیوقوفی بھی ہے۔ کیونکہ گھبراہٹ کام کرنے کی طاقت اور سمجھ کو بیکار کر دیتی ہے۔ مناسب طور پر تدارک کرنے سے ہر ایک مُشکل حل ہو سکتی ہے۔ اسلئے گھبرانے اور فکر کرنیکی ضرورت نہیں اور جو کام ہو ہی نہیں سکتا وہ مُشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اُسکے لئے فکر کرنا اور گھبرانا فضول ہے۔ کیونکہ ناممکن پر فتح پانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان اُسکے سامنے جُھک جائے۔

جس طرح امورِ خانہ داری۔ مجلسی اور معاشرتی وغیرہ میں بے سمجھی کی وجہ سے مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ اور اُن پر فتح پانے سے عقل اور تجربہ پُختہ ہوتے ہیں اسی طرح دھرم کے معاملات میں شک و شبہ دلی بے چینی اور تاریکی جہالت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اُنکے دُور ہونے سے آتما کا گیان اور بھی روشن ہو جاتا ہے۔

جس دِن انسان کے دل میں انسانی زندگی کے عجیب و غریب سربستہ راز جاننے کے لئے بے چینی اور اضطراب پیدا ہوتے ہیں۔ وہ دن اُس کیلئے مبارک ہوتا ہے۔ (گو وہ اسوقت ایسا محسوس نہیں کرتا) کیونکہ اسدن سے اُسکی سخت لاپرواہی۔ جسمانی سُستی اور حیوانی خوشی کا سلسلہ ختم ہونا شروع ہوتا ہے۔ اور اسوقت سے وہ ترقی پذیر انسان بننا شروع کرتا ہے۔ اب وہ انسان نما حیوان نہیں رہا بلکہ دراصل انسان بننے لگا ہے۔ اب وہ زندگی سے متعلق سوالات کو حل کرنے میں اپنی تمام ذہنی طاقت خرچ کرنیکے لئے تیار ہے۔ اور اُن روحانی اُلجھنوں کو صاف کرنا چاہتا ہے۔ درحقیقت یہ اُلجھنیں اور رُکاوٹیں سچائی کی دربان ہیں۔ جو کہ عقل کے قلعہ کے پھاٹک پر کھڑی ہیں ایسا شخص اب سخت تکالیف اور مشکلات کے آنے پر بھاگ نہیں جاتا بلکہ ہمّت اور صبر کے ساتھ کھڑا رہتا ہے۔

اب وہ نہ تو جسمانی آرام طلبی کی تلاش کرتا ہے نہ ہی بے سمجھی میں کوئی

لطف دیکھتا ہے۔ نہ ہی حیوانی خوشیوں کے پیچھے بھاگتا ہے۔ نہ ہی اپنے دل کے تاریک اور نا قابل اظہار سوالوں سے مُنہ چھپاتا پھرتا ہے۔ اب اُس کے اندر سورگی بھاؤ جاگ اُٹھا ہے۔ گویا ایک سویا ہُوا دیوتا رات کے بے ترتیب اور بے معنی خوابوں سے بیدار ہو رہا ہے۔ اب وہ نہ سوئے گا نہ آرام لیگا۔ جب تک اُسکی آنکھیں سچائی کے روشن دن کو نہ دیکھ لیں گی۔ ایسے شخص کیلئے اب یہ نا ممکن ہے کہ وہ اپنے دل کی آواز کو جو اُسے زندگی کے اعلےٰ مقصد کو پورا کرنے کیلئے پکار رہی ہے چُپ چاپ بیٹھا سُنتا رہے۔ کیوں کہ اُسکی بیدار شدہ رُوحانی طاقتیں کٹھن اُلجھنوں کو سلجھانے کیلئے بار بار اُکسا رہی ہیں۔ اب اُسکے لئے گناہ میں کوئی مزہ نہیں رہا۔ اور نہ عیب میں کوئی سواد۔ اسلئے اب سچائی کے سوائے اُسکی کوئی جائے پناہ نہیں ہو سکتی۔

وہ دن اُسکے لئے مبارک ہے۔ جب وہ اپنی غلطی۔ جہالت اور نادانی کو قبول کر کے یہ سمجھ لیتا ہے کہ ان ہی کی وجہ سے شکوک اور اُلجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ اب وہ اپنی جہالت کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ اُسے دُور کرنا چاہتا ہے اور روشنی کی اُس راہ کو لگاتار تلاش کرتا ہے جو اُسکے دل کے اندھیرے کو دُور کر دے گی۔ اُس کے شکوک مٹا دیگی اور اُسکی زندگی کے اہم سوالوں کو حل کر دے گی۔ جب بچہ کسی مُشکل سوال کو حل کر لیتا ہے تو وہ کسقدر خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک آدمی کا دل خوشی سے بھر جاتا ہے۔ جب وہ کسی دنیاوی مشکل پر فتح پا لیتا ہے۔ پس نہ صرف بچہ کیطرح بلکہ اس سے بھی بہت بڑھ کر اُس آدمی کا دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتا ہے اور اُس کے آنند کی کوئی حد نہیں رہتی۔ جب وہ اُس روحانی پیچیدگی کو سُلجھا لیتا ہے۔ جسکے سُلجھانے میں اُسنے کتنا ہی وقت خرچ کیا ہے۔ اور آخر کار اُسکے دل کا اندھیرا ہمیشہ کے لئے دُور ہو جاتا ہے۔

تم اپنی مشکلات اور اُلجھنوں کو منحوس مت خیال کرو۔ ایسا خیال

کرنے سے وہ سچ مچ تمہارے لئے منحوس ہوجائینگی۔ تم اُنکو ایک اچھّا شگون سمجھو۔ دراصل وہ ہیں بھی ایسی ہی۔کبھی ایسا خیال نہ کرو کہ تم اُن سے بچ سکتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ اسلئے اُن سے بھاگ جانے کی کوشش بھی نہ کرو۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ تمہارا پیچھا چھوڑ دیں۔ بلکہ شانتی کے ساتھ صبر کے ساتھ اور حوصلہ کے ساتھ اُن کا مقابلہ کرو۔ اپنی پوری دلی توجہ اور سرگرمی سے اُنکی جانچ پڑتال کرو۔ اُنکے ہر ایک پہلو پر غور کرو۔ تولو۔ ناپو۔ وزن کرو۔ گویا اُنکا کوئی پہلو بھی تمہاری نظر سے بچا نہ رہے۔ اور بھرپور دل سے اُنکا مقابلہ کرو۔ تاکہ آخرکار اُن پر فتح یاب ہوجاؤ۔ اِسطرح سے تمہاری طاقت اور سمجھ بڑھے گی۔ اور تم آنند کے اُس راستہ پر پہنچ جاؤ گے کہ جو سرسری نگاہ سے اوجھل تھا۔

چوتھے راستہ پر لیجانے سے پہلے میں تم کو پھر کہتا ہوں کہ مشکلات اور اُلجھنیں تمہاری اپنی ہی غلطی اور جہالت کا نتیجہ ہیں۔ ان سے بھاگنا فضول ہے۔ سمجھ بوجھ اور ہمّت سے انکا مقابلہ کرو۔ آخر فتح تمہارے ہاتھ ہے۔

چوتھا راستہ

بوجھ اُتارنا

میں تو زندگی کی نسبت یہ خیال کرتا ہوں کہ اگر یہ ایک بوجھ بھی ہو تو میں اُسکو ایک سُریلے راگ میں بدل دوں۔

(بیلی)

تم نے سُنا ہے کہ فتح پانا اچھا ہے۔ لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہارنا بھی اچھی بات ہے۔ کیونکہ لڑائیوں کی ہار جیت ایک ہی بات ہے۔

(والٹ وٹمین)

بوجھ اُٹھانے کے متعلق تو ہم بہت کچھ پڑھتے یا سُنتے ہیں۔ لیکن بہتر طور پر بوجھ اُتارنے کے بارے میں بہت ہی کم جاننے یا سننے میں آیا ہے۔ تم اپنے دل پر بھاری بوجھ کیوں اُٹھائے پھرتے ہو۔ جبکہ تم اُسے اُتار کر اور ہلکے ہو کر خوشدلی اور آزادی کے ساتھ اپنے ہمجنسوں میں پھر سکتے ہو۔ کوئی آدمی بھی اپنی پیٹھ پر بوجھ لادے نہیں پھرتا۔ سوائے اس حالت کے جبکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پر بوجھ لیجانا ضروری ہوتا ہے۔ کسی بوجھ کو ہمیشہ اپنی پیٹھ پر لادے پھرنیوالا شخص شہید یعنی اپنے دھرم کیلئے جان دینے والا نہیں کہلا سکتا۔

تم اپنے دل پر فضول بوجھ کیوں لادتے ہو اور پھر روحانی ملال اور اپنے اوپر ترس کھانے کے دُکھ سے اس بوجھ کو اور بھی بوجھل کیوں بناتے ہو۔ کیوں نہیں اپنے بوجھ اور دُکھ کے عذاب کو اُتار پھینکتے۔ اور اس طرح پر خود خوش رہ کر دنیا کی خوشی کو بڑھاتے۔ ایک تکلیف دہ بوجھ کو لادے لادے

پھرنے کی نہ تو کوئی معقول وجہ ہے اور نہ ہی کوئی مناسب دلیل - جس طرح مادی دنیا میں صرف اسی وقت بوجھ اُٹھانا پڑتا ہے جبکہ اُسے ایک جگہ سے دُوسری جگہ پہنچانا ضروری ہو - اور ایسا کرنے سے وُہ بوجھ تکلیف دہ نہیں سمجھا جاتا - اسی طرح رُوحانی دنیا میں بھی کسی قسم کے خیالات پر غور و فکر کرنیکا بوجھ صرف کسی نیک اور ضروری نتیجہ پر پہنچنے کیلئے اُٹھانا چاہیئے - اور پھر نتیجہ نکل آنے پر بوجھ کو الگ رکھ دینا چاہیئے - اس قسم کے بوجھ اُٹھانے سے کوئی تکلیف تو ہوتی ہی نہیں البتہ خوشی ضرور ملتی ہے -

ہم لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ بعض سادھوؤں کا اپنے جسم کو تکلیف اور ایذا پہنچانا بے فائدہ اور غیر ضروری فعل ہے - لیکن ہزارہا لوگ اپنے آپکو ایسی ہی دلی تکلیف اور کاوشوں میں برابر مبتلا رکھتے ہیں - کیا وُہ بے فائدہ اور غیر ضروری نہیں ؟ ایسا کونسا بوجھ ہے جس سے دُکھ اور تکلیف ملے - سچ تو یہ ہے کہ ایسے بوجھ اصل میں ہیں ہی نہیں - جو کام کرنا ہو اُسے خوشی خوشی کرو نہ کہ روتے اور بڑبڑاتے ہوئے - جو کام اس طرح سے کیا جاتا ہے - وہ بوجھ معلوم ہی نہیں ہوتا - ضرورت یا کوئی ایسا فرض کہ جس سے بچ نہیں سکتے درحقیقت تکلیف دہ نہیں ہوتے - بلکہ اُن کو اپنا دوست اور رہنما سمجھ کر اُن سے بغلگیر ہونا حد درجہ کی دانائی ہے - اُنکو دشمن سمجھ کر ناک بھویں چڑھانا اور بچنے کی کوشش کرنا حد درجہ کی نادانی ہے -

ہمارا فرض ہر جگہ ہمارے سامنے آموجود ہوتا ہے - وُہ اُسی وقت تکلیف دہ بوجھ معلوم ہوتا ہے - جب ہم اُسے نہ پہچانکر اُس سے بغلگیر نہیں ہوتے - جو شخص کسی فرض کو لاپرواہی اور بے دلی سے پورا کرتا ہے - اور ساتھ ہی غیر ضروری خوشیوں کے پیچھے بھاگتا ہے - وُہ گویا دُکھ اور نااُمیدی کے بچھوؤں کے ڈنگ اپنے جسم میں چُبھا رہا ہے - اور اس طرح پر تھکاوٹ اور بے چینی کے بوجھ کو دُگنا کر کے اپنے کندھوں پر رکھ رہا ہے کہ جس سے

وہ پسا جارہا ہے۔

"اے میرے آتما تو اچھے کام کرنے کیلئے بیدار ہو۔ بلندی پر پہنچنے کے لئے اپنے بازوؤں کو پھیلا۔ زندگی کے راگ کو از سرِ نو گا۔ نیکی کا۔ سچائی کا۔ اور برائی پر فتح پانیکا گیت گا۔ تو اپنے اس راگ کو اور بھی زیادہ سُریلا اور میٹھا بنا۔ اپنے شکوک۔ اپنے تفکرات اور تکالیف سے خوشی کا سُر نکال دُکھوں کے کانٹوں سے خوشی کا ایک خوشنما تاج تیار کر اور پھر آنند کا راگ چھیڑ"۔

میں اپنے سب کاموں کو کہ جو دورانِ زندگی میں مجھے پیش آئینگے۔ خوشی سرگرمی اور پوری توجہ کیساتھ بیغرض ہو کر کرونگا۔ میری ذمہ داریاں خواہ کتنی ہی بھاری ہونگی ہیں پھر بھی اُنکو اپنے لئے کبھی بوجھ اور تکلیف کا باعث نہ سمجھوں گا۔

تم کہتے ہو کہ فلاں بات مثلاً کوئی فرض۔ کسی دوست کا کام یا سماج کی کوئی ذمہ داری تمکو بہت تکلیف دے رہی ہے اور تم اس بوجھ سے دبے جا رہے ہو۔ اور یہ خیال کرکے دُکھی ہو رہے ہو کہ "گو میں اس کام کو ہاتھ میں لے بیٹھا ہوں اور مجھے اسے پورا بھی کرنا ہی پڑیگا۔ لیکن یہ کام ہے بڑا سخت اور تکلیف دہ"۔ میرے دوست! ذرا غور تو کرو۔ کیا وہ کام تمہیں سچ مُچ دبا رہا ہے یا یہ تمہاری خود غرضی ہے جو اس کام کو بھاری دکھلا کر تمہیں تنگ کر رہی ہے۔ لیکن میں تم پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وہی کام جسکو تم اپنی آزادی میں رکاوٹ پیدا کرنیوالا سمجھتے ہو دراصل تمہیں آزادی دلانیکا پہلا دروازہ ہے۔ ہاں وہی کام جسکو تم تکلیف دہ سمجھتے ہو درحقیقت تمہارے لئے آنند کا پیغام لانیوالا ہے۔ تمہارا یہ خیال بالکل فضول ہے کہ سچا آنند کسی اور ہی دُور دراز مقام میں ملے گا۔ تمہارا کام ایک آئینہ ہے جسمیں تمہارا ہی عکس دکھائی دیتا ہے۔ تمکو اپنے کام میں جو تاریکی نظر آتی ہے۔ وہ تمہارے ہی دل کی حالت کا عکس ہے کہ جس سے تم نے اس کام کو شروع کیا تھا۔

اپنے دل کی حالت کو بدلکر کام کرو گے تو دیکھو گے کہ وہ کام فوراً ہی بدل جائے گا۔ یعنی مشکل سے آسان اور بھاری سے ہلکا محسوس ہوگا۔ اور نہیں طاقت اور خوشی دینے کا ایک ذریعہ بنجائیگا۔ اگر شیشہ میں اپنا مُنہ ٹیڑھا کرکے دیکھو گے تو ایک بھدا اور ڈراؤنا عکس دکھائی دیگا۔ تم نے اپنا مُنہ جیسا بگاڑا ویسا ہی رُوپ نظر آیا۔ اگر مُنہ کو سنوار کر شیشہ دیکھو گے تو ایک خوبصورت چہرہ نظر آئیگا۔

اگر تم کسی کام کا کیا جانا درست اور ضروری سمجھتے ہو تو اُسکا کرنا بھی اچھا ہے۔ اِس سے مُنہ موڑنے سے وہ بھاری ہو جاتا ہے اور خود غرضانہ خواہش اُس کام کو بدصورت ظاہر کرتی ہے۔ اگر کسی کام کا کیا جانا ناواجب اور غیر ضروری ہے تو پھر کسی عارضی خوشی اور خواہشات کی سیری کے لئے اُسے کرنا حماقت میں داخل ہے۔ جسکا نتیجہ رنج دہ ہی نکلے گا۔

جس فرض سے تم دُور بھاگنا چاہتے ہو۔ دراصل وہی تمہارا متنبہ کرنے والا اُستاد ہے۔ وہ عارضی خوشی کہ جسکے پیچھے تم بھاگ رہے ہو تمہارا خوشامدی دشمن ہے۔ اے نادان انسان! تو غلط راستہ چھوڑکر کب سیدھے راستہ پر آئیگا؟

کائنات کا یہ فیض عام ہے کہ وہ اپنی ساری مخلوق کو ہر وقت اور ہر جگہ دانائی کیطرف جانے کیلئے اُکساتی ہے۔ بیوقوفی اور خود غرضی کے اندر جو سخت سے سخت تکلیف اور عذاب چھپا ہوا ہے اُسی میں انسان کی بھلائی ہے۔ اُسی میں انسان کا قیام ہے۔ کیونکہ سخت عذاب ہی لاپرواہی کا دشمن اور دانائی کا رہبر ہوتا ہے۔

درد کیا ہے؟ دُکھ کیا ہے۔ بوجھ کیا ہے؟ غصہ درد ہے۔ نادانی دکھ ہے۔ خود غرضی بوجھ ہے۔ "خود پرستی خیال اور فعل کی شکل میں آجانیکے بعد انسان کو خون کے آنسو رُلاتی۔ دلکو چیرتی اور سخت عذاب پہنچاتی ہے"

نادانی غصہ اَور خود غرضی کو اپنے دل سے نکال دو۔ تو تمہاری زندگی سے دُکھ خود بخود ہی دُور ہو جائیگا۔ بوجھ اُتارنے کے یہ معنے ہیں کہ تم اندرونی خود غرضی کی جگہ کو پاکیزہ پریم سے بھر دو۔ اَور اپنے دِل میں سچّا پریم رکھ کر کام شروع کر دو تو کام ہلکا معلوم ہوگا۔ اَور خوشی دیگا۔

جہالت کیوجہ سے ہی دل اپنے لئے بوجھ پیدا کر لیتا ہے۔ اَور سزا پاتا ہے سر پر بوجھ اُٹھائے اُٹھائے پھرنے کی کسی کو سزا نہیں دی گئی۔ دُکھ بیقاعدہ طور سے نہیں دیا گیا۔ انسان اپنے ہی ہاتھوں دُکھ اُٹھاتا ہے۔ دل کا اصلی حاکم عقل ہے۔ اَور عقل کے تخت کو ادنےٰ جذبات چھین لیتے ہیں۔ تو دلکی سلطنت میں بغاوت پھیل جاتی ہے۔ خواہشات کی سیبری کی لگن اگوا (پیشرو) بن جاتی ہے۔ اَور دکھ و عذاب اُسکی اردل میں چل پڑتے ہیں۔ اَب تم کو اپنے لئے انتخاب کرنیکی پوری آزادی ہے۔ اگر تم نے اپنے آپکو ادنےٰ جذبات کا غلام بھی بنا لیا ہے کہ جسکی وجہ سے تم لاچار اَور بیکس ہو گئے ہو۔ درحقیقت تب بھی تم لاچار نہیں ہو۔ خود ہی تم نے اپنے آپکو جکڑا ہے اَور خود ہی تم چھوٹ بھی سکتے ہو۔ تم اپنی موجودہ حالت تک آہستہ آہستہ پہنچے ہو اَور آہستہ آہستہ ہی تم اُس سے چھٹکارہ بھی پا سکتے ہو۔ ادنےٰ جذبات کو تخت سے اُتار کر از سرِ نو عقل کو تخت پر بٹھلا سکتے ہو۔ بُرائی اَور عیب سے بچنے کا وقت حیوانی خوشیوں کو حاصل کرنے سے پہلے ہوتا ہے۔ لیکن اگر انسان ایک دفعہ ان میں پھنس گیا۔ تو اُسکے بُرے نتائج کو بھوگ کر ہی دانائی کیطرف آ سکتا ہے۔ کِسی قسم کی ذمہ داری کو لینے سے پہلے فیصلہ کر لو کہ تم اُس ذمہ داری کو لینے کے قابل ہو یا نہیں اگر ایک دفعہ ذمہ داری کو لے لیا ہے تو پھر اپنے دل سے سب قسم کی خود غرضی اَور اس سے پیدا ہونیوالی بے چینی اَور اضطراب کو دل سے دُور کر دو۔ حرفِ شکایت زبان پر نہ آنے دو۔ یاد رکھو جب تم پریم اَور عقلمندی سے ذمہ داریوں کو قبول کرتے ہو تو اُنکا بوجھ بہت ہی ہلکا ہو جاتا ہے۔

انسان کا بوجھ خواہ کیسا ہی ہو وہ کمزوری خیالی اور خود غرضی سے زیادہ بھاری اور ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔ اگر تمہارے حالات اچھے نہیں ہیں تو اُنکے اندر سے گذرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تاکہ تم اُنکا مقابلہ کرنے کیلئے طاقت حاصل کر سکو۔ وہ حالت تمہیں اس لئے مشکل نظر آتی ہے کہ تم میں کوئی کمزوری باقی ہے۔ اور جب تک یہ کمزوری دُور نہیں ہو جاتی۔ تب تک وہ حالات موجود رہیں گے۔ پس ایسی حالت میں تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ تمکو طاقتور ہونے اور دانائی سیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ دانائی کے آگے کوئی مشکل حالت ٹھہر نہیں سکتی۔ کوئی چیز بھی پریم کو تھکا نہیں سکتی۔ اپنے خراب حالات پر غم کھانا چھوڑ دو اور اپنے اِرد گِرد کے انسانوں کی زندگی پر غور کرو۔

مثلاً یہاں ایک ایسی عورت ہے کہ جسکا کُنبہ بڑا اور آمدنی کم ہے۔ وہ اپنی مزدوری سے گھر کا خرچ تنگی ترشی سے چلاتی ہے۔ گھر بھر کے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھو لیتی ہے۔ اُسے روٹی پکانا۔ چوکا برتن۔ پسائی وغیرہ ہر ایک کام خود ہی کرنا پڑتا ہے۔ اِسکے علاوہ وہ بیمار پڑوسیوں کی دیکھ بھال۔ دوا دارو وغیرہ کچھ نہ کچھ سیوا بھی کرتی رہتی ہے۔ وہ قرض کی بلا اور نا اُمیدی کی دلدل سے بچی ہوئی ہے۔ وہ صبح سے شام تک خوش رہتی ہے۔ اور کبھی بھی اپنی تنگی یا غریبی کی شکایت نہیں کرتی۔ چونکہ اُسکے دل میں خود غرضی اور خود مطلبی نہیں ہے۔ اسلئے وہ ہمیشہ ہی خوش خوش نظر آتی ہے۔ وہ اسی خیال میں مست ہے کہ وہ دوسروں کو سُکھ پہنچانیکا باعث ہے۔ اگر وہ یہ سوچتی کہ "کل چھٹی ہے۔ میں بھی دوسروں کی طرح سنیما دیکھنے کیوں نہ جاؤں۔ کاش کہ میں بھی امیر ہوتی تو نئے نئے فیشن اختیار کرتی۔ کھیل تماشہ دیکھنے اور گانا سُننے جاتی۔ نئی نئی کتابیں پڑھتی۔ دوسری عورتوں سے ملتی جُلتی۔ مگر یہاں تو گھر کے بکھیڑوں سے ہی چھٹکارا نہیں ملتا"۔ ایسا سوچنے سے وہ کِسقدر غمگین اور دُکھی ہوتی۔ اور اپنے گھر کے دھندے ہی اُسے کتنے دوبھر لگتے۔ گھر کا چھوٹا سا کام بھی اُسے ایسا

معلوم ہوتا کہ جیسے کوئی بھاری پتھر اُسکے گلے میں بندھا ہوا ہے - اور گویا یہ بوجھ اُسے پیش از وقت مار ڈالے گا - اور اُسکی خود غرضی ہی اُسکی موت کا باعث بن جاتی - لیکن یہ عورت اپنے لئے کچھ بھی نہ چاہتی ہوئی اپنے بوجھ کو کتنا ہلکا بنا رہی ہے - اور کسقدر خوش ہے - خود غرضی سے خالی ہونا اور خوشی دونوں ہی پکے دوست ہیں - جہاں پریم ہے وہاں کوئی بوجھ - بوجھ ہی محسوس نہیں ہوتا -

یہاں ہی ایک اور عورت بھی رہتی ہے کہ جسکی جائداد اور آمدنی کافی سے زیادہ ہے - وہ بڑے ٹھاٹھ باٹھ وشان وشوکت سے رہتی ہے - لیکن رسمیہ طور پر اُسے سماج اور سوسائیٹی کے کچھ کام کرنے پڑتے ہیں کہ جن پر اُسے کچھ روپیہ اور وقت بھی خرچ کرنا پڑتا ہے - لیکن وہ اُن سے چھٹکارا پانا چاہتی ہے - گو اُسے یہ کام پریم کیساتھ بطور سیوا کے کرنے واجب ہیں - نیز اُسکی اپنی بھی کچھ ایسی خواہشیں ہیں کہ جو پوری نہیں ہوتیں - اسلئے وہ ہر دم ناخوش اور بے چین رہتی ہے - اور ہمیشہ ہی اپنی حالت کی شکایت کرتی رہتی ہے - بے چینی اور خود غرضی دونوں اکٹھے رہنے والے ساتھی ہیں - خود غرضی کام کو بوجھل بنا دیتی ہے

ان دونوں عورتوں کی مختلف حالتوں کا مقابلہ کر کے دیکھو (اور اس قسم کی مثالیں تمہیں اپنے اِرد گرد ہر جگہ نظر آئیں گی -) کہ کس کی حالت زیادہ بوجھل اور بھاری ہے - سچ تو یہ ہے کہ کوئی حالت بھی تکلیف دہ نہیں - تکلیف یا خوشی تو اپنی خود غرضی یا پریم پہ مبنی ہے - حالات میں نہ تو سُکھ ہے نہ دُکھ - سُکھ دُکھ تو درحقیقت دل کی حالت پر منحصر ہے -

ایک شخص دھرم گرنتھ پڑھنا شروع کرتا ہے - وہ سوچتا ہے کہ "اگر میرے سر پہ بیوی بچوں کا بوجھ نہ ہوتا تو میں بہت کام کر سکتا اور مجھے جتنا تجربہ اور علم اب ہے - اگر ویسا ہی تجربہ اور علم مجھے چند سال پیشتر ہوتا تو میں شادی ہی نہ کرتا"

لیکن یہ دعوے کیساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس شخص کو ابھی تک دانائی کا

سیدھا اور فراخ رستہ دکھائی نہیں دیا۔ (کیونکہ محض افسوس کرنے اور پچھتانے سے بڑھکر اور کوئی بیوقوفی نہیں۔) اور اب بھی وہ اُس بڑے کام کو کہ جسکے ناقابل ہے کہ جسکو پورا کرنیکا وہ اِتنا خواہشمند ہو رہا ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں انسانی بھلائی کیلیئے اسقدر پریم ہے کہ وہ کوئی بڑا کام کرنا چاہتا ہے تو خواہ وہ کسی حالت میں کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے گھر سے پریم کو ظاہر کیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اُسکا گھر پریم سے بھرا ہوا ہوگا اور اُسکی بے غرضانہ محبت کی خوبصورتی مٹھاس اور شانتی اُسکے ساتھ رہینگے۔ وہ اپنے آس پاس کے لوگوں کو خوش کرنے اور اُن کی بھلائی کرنیکا باعث بنا ہوا ہوگا۔ وہ پریم اور محبت جو کہ گھر میں نہیں پایا جاتا اور صرف بیرونی طور پر دکھلایا جاتا ہے۔ محض دکھلاوا ہے۔

خود میری نظروں کے سامنے سے ایسے افسوسناک نظارے گذرے ہیں کہ جن میں اُپدیشکوں اور دھرم پرچارکوں کے گھر خوشی سے خالی پڑے ہیں۔ اور اُنکے بال بچوں کی بُری حالت ہے۔ مگر وہ دوسروں کے گھروں میں سُکھ اور آنند کا اُپدیش دیتے پھرتے ہیں۔ اُنکے اپنے گھروں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ایسے لوگ دنیا کو ٹھگتے ٹھگتے اپنے آپکو بھی دھوکا دے رہے ہیں اور اِس صداقت کو بھولے ہوئے ہیں کہ "اوّل خویش بعدہ درویش"۔ ایسے ہی لوگ خود پیدا کردہ دُکھوں اور عذابوں کو اپنا مذہبی فرض قرار دے لیتے اور مذہبی شہید کہلانیکے خواہشمند رہتے ہیں۔

ایک مہا پُرش ہی کسی بڑے کام کو کر سکتا ہے اور وہ جہاں کہیں بھی ہو گا۔ اُسکی بڑائی اُسکے ساتھ ہے۔ خواہ وہ کسی حالت میں ہو وہ اپنے نیک کام کو کرتا رہیگا۔ کیونکہ اُسنے اپنے کام کی ماہیت کو سمجھ لیا ہے۔

تم جو دوسروں کی بھلائی کیلیئے اتنے بے چین ہو رہے ہو اور نوع انسان کا سدھار چاہتے ہو پہلے اپنا سدھار کرو۔ اپنے گھر سے۔ اپنے بیوی بچوں سے اپنے ہمسایوں سے۔ سدھار کا کام شروع کرو۔ دیکھو تم اپنے آپکو دھوکے میں

نہ رکھو۔ جب تک اپنے آس پاس کے اور چھوٹے چھوٹے کام سچی لگن سے نہیں کر سکتے۔ تب تک دُور کے اور بڑے بڑے کام نہ کر سکوگے۔ انگریزی کہاوت ہے کہ "خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے"۔

اگر کسی شخص نے اپنی زندگی کے بہت سے سال عیش و عشرت اور خواہشات کی سیری میں گذارے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ اُسکی جمع کردہ گذشتہ غلطیوں کا بوجھ اُسے تکلیف دے۔ کیونکہ جبتک اُنکا بوجھ ناقابلِ برداشت نہیں ہوجاتا۔ تب تک وہ اُن بُری عادتوں کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اور نہ ہی پاک زندگی کا راستہ اختیار کر سکتا ہے۔ جب تک وہ اپنے خود پیدا کردہ بوجھ کو ایشور کی طرف سے بطور فرض کے دیا ہوا خیال کرتا رہتا ہے یا یہ سمجھتا ہے کہ قسمت یا حالات یا دوسروں نے اُسکے سر پر یہ بوجھ ڈالدیا ہے یا اس بوجھ کو بزرگی کی علامت خیال کرتا ہے۔ تب تک وہ اپنی بیوقوفی اور نادانی میں اور بھی اضافہ کرتا ہے۔ اپنے بوجھ کا وزن یا دُکھ کی مقدار بڑھاتا ہے۔ مگر جب وہ اس سچائی کو سمجھ لیگا کہ یہ بوجھ خود اُسکے اپنے پیدا کردہ اور خود اُسکے اپنے ہی اعمال کا جمع شدہ نتیجہ ہے۔ تب وہ بے ہمتی سے اپنے اُوپر ترس کھانا چھوڑ دیگا۔ اور اپنے بوجھ کو ہلکا کرنیکی ترکیب سوچے گا۔ اور جب وہ اس بات کو بخوبی دیکھ اور سمجھ لیگا کہ اُسکا ہر ایک خیال اور عمل اُس کی زندگی کی عمارت کو تیار کرنیوالے اینٹ اور پتھر ہیں۔ تب وہ دوربینی اور دانائی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوا یہ دیکھنے اور قبول کرنے کے قابل ہو جائیگا۔ کہ اُسکے گذشتہ کئے ہوئے کام ناپائدار تھے اور وہ آئندہ اُن کو قابلیت اور پختگی کے ساتھ کرنا شروع کر دیگا۔

تکلیف دہ بوجھ اسی وقت تک ضروری ہے کہ جب تک پریم اور دانائی کی کمی ہے۔ آنند اور رُوحانی خوشی کا مندر دُکھ۔ عذاب۔ انکساری اور فروتنی کی بیرونی فصیل کے اندر بنا ہوا ہے۔ رُوحانی مسافر کو وہاں تک

پہنچنے کے لئے اس فصیل کے اندر سے گذرنا پڑتا ہے۔ رُوحانی مسافر اپنی
ناسمجھی سے کچھ وقت کیلئے تو اس فصیل کو ہی اصلی مندر سمجھ کر ٹھہر جاتا ہے
لیکن سمجھ آتے ہی وہ آگے چل پڑتا ہے۔ تاہم جب تک وہ اپنے اُوپر ترس
کھاتا ہوا اپنے عذاب اور دُکھ کو مقدّس سمجھتا رہتا ہے۔ تب تک وہ دُکھ
اُٹھاتا رہے گا۔ لیکن جب وہ اپنے دلکی چاپلوسی کو پوری طرح پر چھوڑ کر
یہ سمجھنے لگے گا کہ دُکھ اور کلیش تو صرف راستہ ہیں نہ کہ منزلِ مقصود۔ اور یہ
سب اُسکے اپنے بنائے ہوئے اور پیدا کردہ ہیں۔ تب وہ اپنے دلکو صاف
کر کے جلدی سے اس بیرونی فصیل کو پار کرتا ہوا شانتی اور آنند کے اندرونی
مندر میں داخل ہو جائیگا۔

دُکھ ادھورے پن سے پیدا ہوتا ہے۔ نہ کہ مکمل ہو جانے پر۔ یہ کچّے
پن کی علامت ہے نہ کہ پختگی کی۔ اسلئے دُکھ اور عذاب سے رہائی مل سکتی ہے
اسکے پیدا ہونیکا سبب تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اُسکی تحقیق کر کے اُسے سمجھ کر
دُور کیا جا سکتا ہے۔

ہاں یہ سچ ہے کہ آرام کے لئے تکلیف میں سے شانتی کیلئے اشانتی میں
سے سُکھ کیلئے دُکھ میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ مگر دکھیا کو یہ یاد رکھنا چاہیئے
کہ یہ گذرگاہ ہے۔ نہ کہ قیام گاہ۔ یہ صرف دروازہ ہے نہ کہ مکان۔ یہ صرف
راستہ ہے نہ کہ منزلِ مقصود۔ اور اس سے ذرا آگے بڑھ کر اُسے دُکھ
سے خالی اور آنند سے بھرپور آرام گاہ مل جائیگی۔

بوجھ تھوڑا تھوڑا جمع ہوتا ہے۔ اور اُسکا وزن دھیرے دھیرے اور
نامعلوم طور سے بڑھتا ہے۔ کوئی بلا سوچا سمجھا جوش۔ کوئی بدعادت۔
کوئی عارضی حیوانی خوشی اور لذّت۔ کوئی اندھی ترغیب۔ کوئی ناپاک خیال۔
کوئی سخت کلامی۔ کوئی دلآزار جملہ۔ کوئی حماقت اور اسی طرح کی بیسیوں
باتیں باربار آتی رہنے سے بیوقوفیوں کا بوجھ اِسقدر بھاری ہو جاتا ہے۔

کہ پھر وہ اُٹھانے اور برداشت کرنیکے ناقابل بن جاتا ہے۔ شروع شروع
میں اور کچھ وقت کے لئے تو بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن وہ روز بروز
بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد تو یہ جمع شدہ بوجھ بھاری ہوکر
تکلیف دینے لگتا ہے۔ جب خود غرضی کے کڑوے پھل جمع ہوجاتے ہیں۔
اور جان عذاب میں آنے لگتی ہے۔ اُس وقت دُکھیا کو اپنا امتحان کرکے
بوجھ اُتارنے کا طریقہ تلاش کرنا چاہیئے۔ اِسطرح سے زندگی کو بہتر بنانے
کیلئے دانائی۔ شیریں بنانے کیلئے پاکیزگی۔ نیک بنانیکے لئے پریم مل جائیگا
جس چال پر وہ پہلے چلتا تھا۔ اُسکو بدل دینے سے اُسکے بوجھ ہلکے ہوجائیں
گے۔ اُسکے دِن اور رات خوشی سے بھرجائیں گے۔ اُسکے اعمال نیک اور
زندگی روشن ہوجائیگی۔

"اُوپر اُٹھو۔ دنیا سے اُوپر اُٹھو۔ اُسکے دکھوں اور عذابوں سے اُوپر اُٹھو
گو زمین سبزہ زار سے بھری ہوئی ہے اور میں اُسے چاہتا بھی ہوں۔ لیکن
میں اُسکا مالک ہوکر رہنا چاہتا ہوں۔ نہ کہ غلام بنکر۔ اُوپر اُٹھو جہاں کہ گرد
وغبار نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن پھولوں کی خوشبو پہنچ سکتی ہے۔ وہاں تمہاری
زندگی کے لمحے خوشی سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ ایک ایسی خوشی جو لاثانی
ہے"۔

اپنی موجودہ خراب حالت سے مت گھبراؤ۔ ورنہ بوجھ بھاری اور
تکلیف دہ ہوجائیگا۔ بلکہ دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے اُس حالت کو
بدلنے اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرو۔ اب پانچواں راستہ تمہارے
سامنے ہے۔

پانچواں راستہ

پوشیدہ قربانیاں (آتم تیاگ)

نوٹ مترجم:۔ (کسی جاندار کو ذبح کرنیکا نام قربانی نہیں ہے۔ بلکہ اپنے اندرونی جذبات کو قابو کر کے نقصوں کو دور کرنے کا نام ہی قربانی یا آتم تیاگ ہے۔)

جب سورگ ہمارے چاروں طرف اور ہمارے اندر ہی ہے۔ تو پھر گذشتہ ست یگ یا آنیوالے سورگ سے کیا مطلب۔ ہر ایک نیکی کی جڑ انکساری ہے۔ جو شخص بنیادوں کو گہرا لے جاتا ہے۔ درحقیقت اُسکی عمارت پختہ ہوتی ہے۔ (بیلی)

تمہارا عقیدہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ لیکن سچّائی تو تمہارے اندر ہی ہے اُسکا چشمہ کہیں باہر نہیں ہے۔ (براؤننگ)

یہ سچّائی کچھ بعید از عقل معلوم ہوتی ہے کہ دینے سے ہمیں فائدہ اور لالچ سے نقصان ہوتا ہے۔ لیکن ہے یہ بالکل سچ۔ دیکھو۔ نیکی حاصل کرنے کیلئے ہمیں برائی چھوڑنی پڑتی ہے۔ اور سچّائی کو حاصل کرنیکے لئے جھوٹ چھوڑنا لازمی ہے۔ خود غرضی چھوڑکر ہی ہم پریم لابھ کر سکتے ہیں۔ دیکھو۔ راستہ چلتے ہوئے پچھلا قدم اُٹھانے سے ہی آگے قدم پڑتا ہے۔ نئے کپڑے پہنتے ہوئے پرانے کپڑے اُتارنے پڑتے ہیں۔ اسلئے جو سچّائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اُسے جھوٹ چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ مالی گھاس پھونس اور گلے سڑے پتوں سے کھاد بنا کر نئے پودوں کو خوراک بہم پہنچاتا ہے۔ اسی طرح دانائی کے درخت کی پرورش کرنے کے لئے بھی نادانی کو اُکھیڑنا پڑتا ہے۔ نفع کیلئے خودی

کا تیاگ ضروری ہے - یعنی خود غرضی کو چھوڑنے سے ہی ہمیں فائدہ ملتا ہے سچی زندگی آنند کی زندگی - وہ زندگی کہ جس میں دکھ اور عذاب نہیں کچھ قربانی کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہے - یہ ضروری نہیں کہ بیرونی چیزوں کو چھوڑا جائے بلکہ اندرونی تاریکی اور بدی کو چھوڑنے کی ضرورت ہے کیونکہ جہالت اور بدی سے ہی عذاب پیدا ہوتا ہے - پس سچائی اور نیکی کا تیاگ نہیں بلکہ جھوٹ اور بدی کا تیاگ کرنا ہے - اسلئے دراصل ایسی قربانی میں نفع ہے نہ کہ نقصان - شروع شروع میں نقصان زیادہ معلوم ہوتا ہے - تیاگ سے تکلیف ہوتی ہے - جسکی وجہ یہ ہے کہ انسان خود غرضی کیوجہ سے بھرم اور تاریکی میں پڑا ہوا ہے - یہ حقیقت ہے کہ جب کسی شخص کی فطرت سے خود غرضی کو دور کیا جائے تو اُسے لازمی طور پر تکلیف پہنچتی ہے جب شرابی شراب چھوڑنے کا پختہ عہد کرتا ہے - تو اُسے سخت تکلیف میں سے گذرنا پڑتا ہے - اور وہ ایسا محسوس کرتا ہے جیسے وہ ایک بڑی بھاری خوشی سے محروم ہو رہا ہے - لیکن جب وہ شراب پینے کی بُری عادت پر پورے طور سے فتح حاصل کر لیتا ہے - تو پھر دل سے شراب کی خواہش ہی دور ہو جاتی ہے - اور اسکا دل شانت ہو جاتا ہے - تب وہ سمجھتا ہے کہ اس بلا سے رہائی پاکر اُسے بہت فائدہ پہنچا ہے - اور جو کچھ اُس نے چھوڑا ہے وہ خراب تھا - جھوٹ تھا اور رکھنے کے قابل نہ تھا - بلکہ اُسکے رکھنے سے اُسے لگاتار تکلیف پہنچ رہی تھی - لیکن اُسنے جو کچھ نیک چلنی - خود ضبطی - شانتی اور سکون کی صورت میں حاصل کیا ہے - وہ اُس کے لئے ٹھیک اور فائدہ مند ہے - اور اُسکا حاصل کرنا ضروری تھا -

ہر قسم کی سچی قربانی کا یہی حال ہے - جب تک وہ مکمل نہیں ہو جاتی تکلیف دہ دکھلائی دیتی رہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ قربانی سے گھبراتے ہیں - وہ سمجھتے ہیں کہ خود غرضی کا پیار چھوڑنے سے کیا فائدہ - نفسانی لذات

کو کیوں چھوڑیں۔ وہ اُن میں مٹھاس پاتے ہیں۔ مٹھاس کو کیوں چھوڑ دیں نفس پرستی میں اُنکو لطف آتا ہے۔ پھر وہ ایسی خوشیوں کو چھوڑ کر خشک اور رُوکھی پھیکی زندگی کیوں اختیار کریں۔ کیوں نہ کھائیں پئیں۔ اور موج اُڑائیں ایسی پُر لطف زندگی کو چھوڑ کر مصیبت میں کیوں پڑیں۔

ہاں ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ کیونکہ اگر انسان آسانی سے یہ جان لیتا کہ کسی خاص قسم کی خودغرضی چھوڑ دینے سے اُسے بے حد رُوحانی فائدہ ہوگا۔ تو بے غرضانہ پن کا وصف حاصل کرنا کہ جسکا حاصل کرنا موجودہ صورت میں ہی بہت مشکل ہے۔ اور بھی مشکل بلکہ محال ہو جاتا۔ کیونکہ بیحد فائدہ کے خیال کا خودغرضانہ لالچ انسان کے دل میں اور بھی زیادہ زوردار ہو جاتا۔ اور جہاں لالچ ہے وہاں بیغرضانہ پن کا وصف کہاں؟ اور بیغرضانہ پن کے بغیر حقیقی سُکھ کہاں؟

جب تک انسان فائدہ یا انعام کے خیال کو چھوڑ کر حسب موقعہ نقصان برداشت کرنیکے لئے تیار نہیں ہو جاتا۔ تب تک وہ بے غرض نہیں ہو سکتا اور مکمّل خوشی یا پرم آنند کو نہیں پا سکتا۔ دل کی یہی حالت انسان کو خودغرضی سے پاک بناتی ہے۔ انسان کو اپنی خودغرضانہ عادتوں اور اعمال کو عاجزی کے ساتھ چھوڑنے کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ نامناسب اور غلط ہیں۔ انعام یا کسی ذاتی فائدہ کا خیال نہ رکھکر محض دُوسروں کو فیض پہنچانے کیلئے قربانی کرنی چاہیئے۔ اگر وہ دنیا کو زیادہ خوبصورت اور سکھی بنانیکا باعث ہو سکتا ہے تو اُسے اپنی خوشی۔ اپنا آرام۔ اپنا سُکھ یہانتک کہ اپنی جان بھی قربان کر دینے کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ کیا ایسا کرنے سے اُسے نقصان ہوتا ہے؟ کیا کنجوس کا جبکہ وہ روپیہ کے پیار کو چھوڑ دیتا ہے۔ کچھ نقصان ہوتا ہے؟ کیا چور کا جب کہ وہ چوری کرنا چھوڑ دیتا ہے کچھ نقصان ہوتا ہے؟ کیا بدمعاش کا جبکہ وہ بدمعاشی چھوڑ دیتا ہے کچھ گھٹ جاتا ہے؟

درحقیقت خود غرضی چھوڑ دینے سے کوکچھ نقصان نہیں ہوتا مگر پھر بھی انسان خیال کر لیتا ہے کہ ایسا کرنے میں اُسکا نقصان ہے۔ اور چونکہ وہ ایسا خیال کرلیتا ہے۔ اسلئے اُسے دُکھ ہوتا ہے۔ یہی دُکھ اُسکا نقصان ہے۔ پس تیاگ آکر اُسکے نقصان اور اُسکے دُکھ کو نفع یعنی سُکھ میں بدل دیتا ہے۔

سچا تیاگ اندرونی ہے۔ گنگا پر جاکر بینگن یا کوئی سبزی کھانا چھوڑ دینا تیاگ نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ کسی بُری عادت مثلاً جھوٹ۔ مکر۔ فریب۔ دغا وغیرہ سینکڑوں طرح کے دوشوں یا عیبوں کا چھوڑنا ہی سچا تیاگ ہے۔ یہ تیاگ باہر سے دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ پوشیدہ اور روحانی ہے۔ نفس کی قربانی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگر انسان روحانی ترقی کرنا چاہتا ہے تو اُسے جلد یا بدیر نفس کی قربانی کرنی ہی پڑے گی ؂

نہنگ واژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا بڑے مُوذی کو مارا نفسِ اِمّارہ کو گر مارا

لیکن یہ پوشیدہ قربانی کیا ہے کسطرح پر کی جاتی ہے۔ اِسکی تلاش کہاں کی جاوے اور یہ کہاں ملتی ہے؟ روزانہ برتاؤ اور کاروبار میں خود غرضانہ خیالات اور اعمال پر فتح پانا ہی قربانی ہے۔ دُوسروں کے تعلق میں اسکی مشق کیجاوے۔ کسی ترغیب کے وقت اور جوش میں آکر بھڑک اُٹھنے کے موقع یا مقام پر تلاش کرنے سے یہ ملتی ہے۔

دل کی پوشیدہ اور گہری قربانی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ گو قربانی کرنا بہت مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ لیکن قربانی کرنے والا اور جسکے لئے یہ قربانی کی جاتی ہے۔ دونوں کو ہی بہت خوشی ملتی ہے۔

لوگ بڑے بڑے کام کرنے اور کوئی بڑی قربانی کرنیکے لئے تو خواہشمند رہتے ہیں۔ جو اُنکی زندگی کے تجربہ سے بہت بڑھکر ہوتے ہیں۔ یعنی جس کے کرنیکا نہ تو اُنہیں تجربہ ہوتا ہے۔ اور نہ ہی قابلیت۔ لیکن چھوٹی چھوٹی قربانیوں کو کہ جنکا کرنا نہایت ہی ضروری اور اُن کی طاقت میں ہے۔ اُنہیں بھولے رہتے

ہیں۔ اور اُن کی طرف اُن کی توجہ ہی نہیں جاتی ۔ تمہاری کمزوری کہاں ہے؟ تم کس بدعادت کے شکار ہو؟ ترغیب کہاں پر آکر تم پر حملہ کرتی ہے؟ یہاں سے ہی تم اپنی پہلی قربانی شروع کرو۔ اور اسطرح پر تم کو شانتی کا راستہ مل جائیگا فرض کرو کہ تم میں یہ نقص ہے کہ جلدی غصہ آجاتا ہے ۔ یا تم نرمی کا برتاؤ نہیں کر سکتے ۔ کیا تم غصہ کو روکنے اور کسی کو سخت لفظ کہنے سے باز رہنے کیلئے تیار ہو؟ کیا تم گالی سُن کر اُسے خاموشی کے ساتھ برداشت کرنیکے لئے تیار ہو؟ اگر تمہاری ذات پر حملہ کیا جائے تو کیا تم چُپ رہ سکتے ہو؟ اپنے خلاف غلط الزام لگائے جانے پر صبر کر سکتے ہو؟ ہاں یہی نہیں بلکہ بُرائی کے بدلے بھلائی ۔ نفرت کے جواب میں محبت کرنے کے لئے تیار ہو؟ جو تمہاری بُرائی کرے ۔ اُس کی تعریف کر سکتے ہو؟ اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو پھر اُن پوشیدہ قربانیوں کو بھی کر سکتے ہو کہ جو تمہیں پرم آنند (مکمل خوشی) اور شانتی کی طرف لے جائیں گی۔

اگر تمہارے مزاج میں غصہ اور سختی ہیں ۔ تو اُن کو چھوڑ دو ۔ کیونکہ تمہارے دل کی یہ حالت تمہیں کبھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی ۔ بلکہ تمہیں بے چینی دُکھ اور روحانی تاریکی کے سوائے کچھ نہیں مل سکتا ۔ تم دوسروں کو بھی ان کے سوائے اور کچھ نہیں دے سکتے ۔ شاید تم یہ کہو گے کہ "فلاں شخص نے پہلے میرے ساتھ بدسلوکی اور بے انصافی کی"۔ مان لیا کہ ایسا ہی ہُوا ہوگا ۔ لیکن یہ کیسا فضول عُذر اور کیسا کمینہ بہانہ ہے ۔ اگر دوسرے شخص کی طرف سے کی گئی بدسلوکی اور بے انصافی قابلِ مذمت اور نقصان رساں ہے ۔ تو بتلاؤ کہ تم نے جو اُسکے جواب میں ویسی ہی بدسلوکی اور بے انصافی کی یہ کہاں کی اچھی بات ہے ۔ اگر ایک شخص تمہارے ساتھ نیک سلوک نہیں کرتا تو یہ کوئی معقول دلیل نہیں ہے کہ تم بھی اُس کے ساتھ نیک برتاؤ نہ کرو ۔ اینٹ کا جواب پتھر نہیں دیا جاتا ۔ بلکہ تمہیں موقع ملا ہے کہ تم نرمی دکھلا کر اور اچھا سلوک کر کے اس شخص کے دل کو بدل دو ۔ آگ کو آگ نہیں بجھاتی ۔ بدسلوکی کرنے سے بدسلوکی کم نہیں ہوا کرتی ۔

بلکہ بڑھتی ہے۔ غصہ سے غصہ کو نہیں جیت سکتے۔ یہ پریم ہی ہے کہ جس کے سامنے غصہ ماند پڑ جاتا ہے۔

غصہ چھوڑ دو اور نرمی کرنا سیکھو۔ دیکھو! تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ تم دوسرا ہاتھ نہ ہو۔ اگر کوئی شخص تم سے خفا یا ناراض ہے تو سوچو تم نے کیا قصور کیا ہے۔ کہاں غلطی کھائی ہے۔ اس کے جواب میں تم بھی خفا نہ ہو۔ نہ ہی بدسلوکی کرو۔ ایسے موقع پر خاموش۔ شانت اور رحم دل بنے رہو۔ اور لگاتار بھلائی کرنے میں مصروف رہ کر نقصان پہنچانے والے اور بُرائی کرنیوالوں پر رحم کرنا سیکھو۔

تم اگر فطرتاً جلد باز اور چڑچڑے ہو تو اُس پوشیدہ قربانی کو معلوم کرو۔ کہ جس کے ذریعہ تم اُن بُری عادتوں سے رہائی پا سکتے ہو۔ اپنی جلد بازی اور بے صبری کو چھوڑ دو۔ جس جگہ جانے سے تمہارا مزاج بگڑ جاتا اور بے قابو ہو جاتا ہے۔ وہاں پر ہی اُسے اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کرو۔ یہ ارادہ پختہ کر لو کہ تم اُن بُری عادتوں کے زیر اثر نہیں رہو گے۔ ان بُری عادتوں کا رکھنا تمہاری شان کے شایاں نہیں۔ اور اب تم ایک لمحہ کے لئے بھی اُن کے سامنے نہ جھکو گے۔ تم اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہو کہ دوسرے لوگوں کی غلطی اور بے وقوفی سے تم بھڑک اُٹھتے ہو۔ بے صبر ہو جاتے ہو۔ دوسرے خواہ کچھ ہی کہتے اور کرتے پھریں۔ حتےٰ کہ تمہارا مخول بھی اُڑاتے پھریں طعنہ زنی کرتے رہیں۔ بھڑک اُٹھنا نہ صرف غیر ضروری ہے۔ بلکہ جس غلطی یا نقص کو دور کرنے کے لئے یہ بھڑکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اُلٹا اُسے اور بھی بڑھاتی ہے۔ بھڑک اُٹھنے سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ جلد بازی۔ بے صبری۔ اور چڑچڑا پن کمزوری اور نا قابلیت کی علامتیں ہیں۔ تبلاؤ ان سے تمہیں حاصل کیا ہوتا ہے؟ کیا ان سے تمہیں یا تمہارے اِرد گرد کے لوگوں کو آرام چین۔ خوشی اور سُکھ ملتا ہے؟ بلکہ بخلاف اس کے یہ تم کو اور پاس کے دوسرے لوگوں کو

پریشان اور دُکھی بنا دیتی ہیں۔ گو تمہاری ان عادتوں سے دُوسروں کو تو تکلیف پہنچتی ہی ہے۔ مگر سب سے بڑھ کر تمہیں نقصان پہنچتا ہے۔ اسلئے شانت رہنا چاہیئے۔ حوصلہ رکھنا اور استقلال سے کام لینا سیکھو۔

جلد باز اور زود رنج شخص کو کبھی سچی خوشی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہاں ایسی عادت کو چھوڑ دینے سے برداشت کی طاقت بڑھتی ہے۔ رواداری اور درگذر کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ مزاج میں نرمی اور انکساری آجاتی ہے۔ جب ان بُری عادتوں سے پورے طور پر رہائی مل جاتی ہے۔ اور ان کو بے غرضانہ پن کی قربان گاہ پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ تب ہی مضبوط اور پُرسکون دل کی خوشی محسوس ہوتی اور حاصل کی جاتی ہے۔

"جب ہم خودی کو بھُول کر دوسروں کی بھلائی کا خیال کرتے ہیں وہی لمحہ ہماری زندگی کا اصلی لمحہ ہوتا ہے۔ ہر ایک قربانی جو ہم عاجزی اور انکساری کے ساتھ دوسروں کی بھلائی کے لئے کرتے ہیں۔ وہی ہماری زندگی کا اصل کام ہے۔ اس طرح پر بہشتی روشنی کو پانے کے لئے رُوح کی کھڑکیاں کھُل جاتی ہیں۔ پس اپنی موجودہ حالت پر خوشی کے ساتھ مُطمئن رہو"۔

ایسی بھی بہت سی لذّات نفسانی خود غرضی سے بھری ہوتی ہیں کہ جو بظاہر بالکل بے عیب اور بے ضرر معلوم ہوتی ہیں۔ اور جن سے عام طور پر پرہیز نہیں کیا جاتا۔ لیکن کوئی بھی فعل یا عمل کہ جس میں خود غرضی موجود ہے بے ضرر نہیں ہو سکتا۔ انسان یہ خیال نہیں کرتا کہ عادت کے بس ہو کر ایسے افعال اور اعمال بار بار کرنے سے اُسے کس قدر نقصان ہو رہا ہے۔ انسان میں فرشتہ سیرتی اور حیوانی فطرت دونوں ہی موجود ہیں۔ فرشتہ سیرتی تب ہی بڑھ سکتی ہے۔ جب حیوانی فطرت کم ہو۔ حیوانی جذبہ کے زیر اثر ہو جانے سے ہم سچائی اور آنند سے دُور ہو جاتے ہیں۔ جُوں جُوں انسان اپنی خواہشات کو حیوانی لذّت سے سیر کرتا ہے۔ تُوں تُوں وہ خواہشات

زیادہ سرکش اور مُنہ زور ہوتی جاتی ہیں۔ جب تک انسان ان چھوٹی چھوٹی بیرونی لذّتوں کو نہیں چھوڑتا۔ تب تک وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا کرنے سے اُس نے اپنی کتنی طاقت، خوشی۔ نیک چلنی اور پاکیزگی کو ضائع کیا ہے۔ جب تک انسان ان کا تیاگ نہیں کرتا۔ اِن کی سیری کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے۔ تب تک وہ سچے آنند کی آرام گاہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

حیوانی لذّات کی سیری میں پڑ کر انسان اپنے آپکو ذلیل اور اپنی عزّت کو برباد کر لیتا ہے۔ اپنے رسُوخ اور اثر کو کھو بیٹھتا ہے۔ دنیا میں اچھے کام کر سکنے کی طاقت اور قابلیّت کو ضائع کر دیتا ہے۔ اندھا دھند طور پر خواہشوں کے بس میں پڑ کر وہ اپنی اندرونی تاریکی کو اتنا زیادہ بڑھا لیتا ہے۔ کہ نیکی اور بدی کو دیکھنے اور اصلیّت اور سچّائی کو پہچاننے کی نگاہ سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ حیوانی خواہشوں کی سیری سچّائی کی تلاش کی دشمن ہے۔ بھوگ بلاس کے تیاگ سے انسان شکوک اور تاریکی کی دلدل سے نکلکر دُوربینی اور پختہ اعتقادی کی مضبوط چٹان پر جا کھڑا ہوتا ہے۔

اپنی سُبھاونی اور دلپسند خواہشوں کو چھوڑ دو۔ اور پل بھر کی خوشی کے مقابلہ میں افضل۔ بہتر اور دیرپا سُکھ کی طرف اپنا دل لگاؤ۔ اگر نفسانی لذّتوں کی سیری کی لگن سے اُوپر رہو گے۔ تو تمہاری زندگی نہ تو فضول اور بیہودہ رہیگی اور نہ ہی ڈگمگاتے گی۔ بلکہ بہتر اور اعلیٰ ہو جائیگی۔

بہت سے لوگ اپنی ہی بات کو مقدم سمجھتے ہیں۔ اُن کی زبان سے جو کچھ نکل گیا وہ گویا کلام الٰہی ہے۔ اور اُس کو قبول کروانے کے لئے دُوسروں سے لڑتے جھگڑتے اور بحث مباحثے کرتے ہیں۔ اِس عادت کو چھوڑ دینے کا اثر دوسروں پر ایسا اچھّا ہو سکتا ہے۔ کہ جس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ دُوسروں کی رائے۔ دُوسروں کی طرزِ زندگی۔ اور دُوسروں کے

مذہبی عقاید میں دخل دینا چھوڑ دو۔ پھر دیکھو گے کہ دُنیا میں مذہبی تفرقوں کے جھگڑوں اور جنگ وجدل کا خاتمہ ہو جائیگا۔ مگر افسوس کہ چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی اپنی ہی رائے کو درست مانتا ہے۔ اور دُوسروں کی رائے کو غلط۔ مگر ایسا کرنا ایک قِسم کی خود غرضی ہے۔ یہ مہلک مرض زیادہ تر اُپدیشکوں۔ واعظوں اور مذہب کے ٹھیکیداروں میں پایا جاتا ہے۔ یہ ایک طرح کی سخت تنگ دلی اور ناروا داری کی علامت ہے۔ تِس پر بھی یہ مرض ایک گُونہ نیکی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جب ایک دفعہ انسان اس مہلک مرض کی خونخواری اور تُندی کو سمجھ کر نرمی اور حلیمی کے راستہ کو پکڑ لیتا ہے تو خود رائی کی تکلیف دہ خصلت اور اُسکے بھونڈے پن اور بدصورتی کو اچھی طرح پہچان لیتا ہے۔ تب وہ اس مرض سے رہائی پانے کی کوشش کرتا ہے۔

اپنی ہی رائے کو مقدم سمجھنے والا انسان اپنی رائے کو سچّائی کا معیّار اور جانچ پڑتال کرنے کا ترازو خیال کرنے لگتا ہے اور جن کی رائے اور طرزِ زندگی اُس کے اپنے معیّار کے مطابق نہیں ہوتی اُس کے نزدیک وہ سب ہی غلطی پر ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ دُوسروں کو راہ راست پر لانیکا اس قدر خواہشمند رہتا ہے کہ اُسے اپنے آپ کو راہ راست پر لانے کا خیال تک نہیں آتا۔ اور اس طرح پر وہ اپنے لئے مخالفت کا طوفان پیدا کر لیتا ہے۔ کہ جس سے اُس کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُسے ہمیشہ ہی رنجیدگی۔ خفگی اور تنگ دلی کا بخار چڑھا رہتا ہے۔ بھلا ایسے انسان کے لئے شانتی۔ خوشی اور سچّا گیان کہاں! پس جب تک وہ دُوسروں کو اپنی رائے کے مطابق بنا لینے کی خواہش کو نہیں چھوڑتا۔ تب تک وہ شانتی گیان اور اُنتی حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ نہ تو دُوسروں کو سمجھ سکتا ہے نہ ہی دوسروں کے دلوں میں گھر کر سکتا ہے۔ نہ ہی اُن کے معاملات میں پریم بھری ہمدردی دکھلا سکتا ہے۔ چونکہ سختی نے اُس کے دل کو تنگ کر دیا ہے

اس لئے وُہ نہ تو دُوسروں کی ہمدردی حاصل کر سکتا ہے۔ اور نہ اُن سے کوئی روحانی فیض اُٹھا سکتا ہے۔

جو شخص اپنی خودرائی کی عادت کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور اپنے روزمرہ کے برتاؤ میں خودآرائی اور تعصب کو دُور کر دیتا ہے۔ تاکہ وُہ دوسروں کی حالت اور دل کا ٹھیک اندازہ لگا سکے۔ وُہ دُوسروں سے خود بھی کچھ سیکھ لینے کے علاوہ اُن کو بھی اُتنی ہی آزادی دیتا ہے کہ جتنی وُہ اپنے لئے چاہتا ہے۔ وُہ دُوسروں کی رائے کی وقعت کرتا ہے اور اس طرح پر وُہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ فراخ دِل ہو جاتا ہے۔ اُس کا گیان زیادہ ہو جاتا ہے۔ اُس میں دیا کا بھاؤ زیادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے اُسکا آنند بڑھنے لگتا ہے۔ اور وُہ آنند کے اُس راستہ کو پالیتا ہے کہ جو پہلے اُس کی آنکھوں سے اوجھل تھا۔

ایک اور قربانی لوبھ اور لالچ کی ہے۔ یعنی دُوسروں کے مال و دولت کی ترقی دیکھ کر حسد کرنے کی بجائے ہمیں خوش ہونا چاہیئے۔ "شکر ہے ہمارا بھائی بھی سُکھ سے روٹی کھانے کے قابل ہوا ہے"۔ نہ کہ سب کچھ ہمارے ہی پیٹ میں پڑ جائے۔ ساری دُنیا کی دولت ہمارے ہی حصّہ میں آجائے۔ تم دُوسروں کے سُکھ دُکھ میں حصّہ لینا سیکھو۔ اپنے ہی فائدہ کی طرف نگاہ نہ رکھو۔ بلکہ دُوسروں کو بھی نفع ہونے دو۔ جب تمہارے دل کی ایسی حالت ہو جائے گی۔ تو تمہارے دل میں گہری شانتی اور سچّی رُوحانی طاقت آنے لگے گی۔ اس قربانی کا نام ہی اپننت کا تیاگ ہے۔

دنیاوی دھن دولت عارضی اور فانی ہے۔ آج ہے اور کل نہیں اس لئے ہم اُسے اپنا نہیں کہ سکتے۔ وُہ ہمارے پاس تھوڑے وقت کے لئے ہے۔ لیکن رُوحانی خوبیوں کا لابھ مستقل ہے۔ وُہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ خود غرضی سے خالی رہنا ایک ایسا رُوحانی لابھ ہے۔ جو

دنیاوی سُکھ اور دھن دولت کو دوسروں کی بھلائی کے لئے چھوڑنے سے حاصل ہوتا ہے۔ نہ کہ یہ خواہش رکھنے سے کہ سارا سُکھ اور ساری دولت ہمیں ہی مل جائے

خود غرضی سے خالی انسان دولت مند ہونے پر بھی اپنے آپ کو اُس دولت کے نشہ سے علیحدہ رکھتا ہے۔ اس لئے وہ اس خوف۔ فکر اور تلخی سے بچا رہتا ہے کہ جو لوبھی لوگوں کو اپنے دھن کے برباد ہو جانے کے خیال سے دامنگیر رہتا ہے۔ وہ موجودہ دولت کو اتنی وقعت نہیں دیتا۔ جتنا کہ بے غرضانہ پن کے وصف کو۔ وہ اس وصف کو دنیا کے لئے نہایت ہی ضروری سمجھتا ہے۔ اُس کے لئے دولت اتنی ضروری نہیں۔ جتنا یہ وصف۔ وہ دُنیا بھر کے دُکھیا لوگوں کے لئے اس وصف کو قابلِ حصول سمجھتا ہے۔

اب بتلاؤ سُکھی کون ہے؟ کیا وہ شخص جو کہ اپنی دولت کو بڑھاتا چلا جاتا ہے؟ اور اُس کے ذریعہ صرف اپنی ہی خواہشات کی سیری کا سامان مہیا کرتا ہے؟ یا وہ شخص جو دوسروں کے سُکھ اور بھلائی کے لئے جو کچھ اُس کے پاس ہے۔ اُس کو بھی دے ڈالنا چاہتا ہے؟ لوبھ کرنے سے سُکھ برباد ہو جاتا ہے اور صبر و قناعت سے سکھ حاصل ہوتا ہے۔

ایک اور پوشیدہ قربانی کہ جس میں اور بھی زیادہ رُوحانی خوبصورتی ہے اور جو نوعِ انسان کے زخمی دل پر مرہم شفا کا کام دیتی ہے۔ حسد کی قربانی (ایرشا کا تیاگ) ہے۔ یعنی دوسروں کے متعلق تنگ خیالی۔ حسد نفرت اور انتقام کے خیالات کا دل سے نکال ڈالنا۔ حسد ایک ایسی خوفناک آگ ہے کہ جو انسان کے دل میں پیدا ہو کر اُس کے سُکھ اور شانتی کو بھسم کر دیتی ہے۔ اور جہاں وہ بھڑک اُٹھتی ہے اُس جگہ کو دوزخ کا نمونہ بنا دیتی ہے۔

نفرت اور حسد کے کئی نام اور کئی قسمیں ہیں۔ مگر مطلب سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی دوسروں کے خلاف بدلہ لینے کے زوردار خیالات رکھنا۔ نفرت کے حامی اور معتقد اسے مذہب کی آڑ میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ دوسرے

مذہب والوں کو نہ صرف گالیاں ہی دیتے ہیں۔ بلکہ باہمی جنگ وجدل کر کے دنیا کو دُکھوں اور آنسوؤں سے بھر دیتے ہیں۔

دوسروں سے حسد کرنا۔ بدظن رہنا۔ بد کلامی۔ بُرائی اور نندیا (غیبت) کرنا۔ بدلا اور انتقام کے خیالات رکھنا۔ یہ سب ہی نفرت میں داخل ہیں۔ اور جہاں نفرت ہے۔ وہاں دُکھ لازمی ہے۔ جب تک انسان کے دل میں بدلہ لینے کے خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ تب تک وہ نفرت پر فتح نہیں پا سکتا۔ اور اُس کی قربانی (تیاگ) کا پورے طور پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک وہ شخص اپنے نقصان پہنچانے والوں کا بھی بھلا نہیں چاہتا۔ وہ نفرت کے مرض کا مریض ہے۔ اگر تم سچا آنند پانا چاہتے ہو تو تمہیں حسد اور نفرت کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ نفرت کے سخت آہنی دروازہ کے پیچھے پریم کا دیوتا (فرشتۂ محبت) منتظر کھڑا ہے۔ جو اپنے آپ کو اُس انسان پر ظاہر کرنے کے لئے تیار رہتا ہے کہ جو نفرت اور حسد کے خیالات پر فتح پا کر آئے گا۔ اور پھر وہ فرشتہ اس شخص کو شانتی کے مندر میں لے جائے گا۔

دُوسرے لوگ تمہارے متعلق خواہ کچھ ہی کہتے پھریں یا تمہارے ساتھ کیسا ہی بُرا سلوک کریں۔ لیکن تم بُرا نہ مانو۔ نفرت کا جواب نفرت سے نہ دو اگر کوئی شخص تم سے نفرت رکھتا ہے۔ تو ممکن ہو سکتا ہے کہ تم نے کبھی دانستہ یا نادانستہ اُس کا کچھ بگاڑا ہو۔ یا ایک دوسرے کو سمجھنے میں کچھ غلط فہمی رہ گئی ہو۔ جو تھوڑی سی نیک نیتی اور نرمی کے ساتھ بات چیت کرنے سے رفع ہو سکتی ہے۔ مگر ہر حالت میں یہ کہنا "پتا! انہیں معاف کرو"۔ (نوٹ:۔ مسیح نے سولی دینے والوں کی نسبت سولی پر یہ کہا تھا۔) زیادہ بہتر۔ افضل۔ اعلیٰ اور نیک ترین ہے۔ بہ نسبت یہ کہنے کے کہ "اب میں ان لوگوں سے کچھ واسطہ نہ رکھوں گا"۔ نفرت تو خود ہی عاجز۔ بیکس۔ اندھی۔ حقیر اور ہیچ چیز ہے۔ محبت اعلیٰ دُور بین اور سُکھ دینے والی ہے۔

"دوسروں کی بُرائی نہ کرنا ہی اعلیٰ درجہ کی تہذیب ہے۔ سب سے اچھا رِفارمر (سُدھارک) وہ ہے جو اپنی تیز نظری سے خوبصورتی اور قابلیت کو ہی دیکھتا ہے۔ اور اپنی عملی زندگی کی مثال سے غلطی کرنیوالوں کو راہِ راست پر لا سکتا ہے"۔

ہر قسم کی نفرت کا سیوا کی ویدی (بنی نوع انسان کی خدمت کی قربانگاہ) پر بلیدان (قربانی) کر دو۔ اس بات کا تو خیال ہی نہ کرو کہ کسی نے تمہیں نقصان پہنچایا ہے۔ بلکہ اس بات کا خیال رکھو کہ اب تم کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ گے۔ اور نہ ہی کسی کا دِل دُکھاؤ گے۔ اپنے دل کے کواڑ کھول دو۔ تاکہ میٹھا۔ اعلیٰ اور فرحت بخش پریم اس میں داخل ہو سکے۔ ہر ایک جاندار کی حفاظت کرو۔ اور اُسے آرام پہنچاؤ۔ یہاں تک کہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی بھلائی کرو۔ جو تمہارے ساتھ برائی کرتا ہے۔ تم اس کے ساتھ بھلائی کرو۔ اِن کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں مثلاً کوئی ناپاک خواہش۔ اپنی تعریف کی آرزو۔ تکبّر۔ غرور۔ خود نمائی۔ خودستائی عیب جوئی۔ نندیا وغیرہ اور بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں کہ جن کی طرف خصوصیّت سے توجہ دے کر انسان کے لئے اُن کا تیاگ کرنا ہی بہتر ہے۔ یہ دل کی بدصورتی اور بدنما داغ ہیں۔ انسان جیسے جیسے ایک ایک کر کے ان سب کو چھوڑتا جاتا ہے۔ ویسے ویسے ہی کمزوری۔ دُکھ۔ مصیبت اور رنج سے چھٹکارہ ملتا جاتا ہے۔ اور پھر وہ مکمل خوشی کا راستہ معلوم کر لیتا ہے۔

مذکورہ بالا کئی قسم کے پوشیدہ تیاگ دل کے اندر ہوتے ہیں۔ اور اُن کا بلیدان بھی دل کی پوتر پوشیدہ ویدی پر ہی ہوتا ہے۔ جب تک انسان یہ قبول نہ کرے کہ "یہ میرا قصور ہے۔ یہ میری غلطی ہے"۔ تب تک وہ اس نقص کو دُور نہیں کر سکتا۔ جب وہ اُسے چھوڑ دے گا تب اُسے وہ سچائی نظر آنے لگے گی جو پہلے اُس کی غلطی کی وجہ سے نظر نہ آتی تھی اور جس پر غلطی کا پردہ پڑا ہُوا تھا

"آسمانی بادشاہت محض باتوں سے نہیں بلکہ عمل کرنے سے آتی ہے۔ وہ آتی ہوئی نظر نہیں آتی"۔ دوسروں کی بھلائی کے لئے اپنے آپ کو انچ انچ قربان کردینا۔ ہر روز اپنی دلی خواہشوں اور تکبّر کو چُپ چاپ چھوڑ دینا نہ ہی تو کسی کو نظر آتا ہے۔ اور نہ ہی اُس کا کوئی انعام ملتا ہے۔ نہ ہی شہرت یا تعریف ہوتی ہے۔ یہ قربانی دُنیا کی نظروں سے بالکل پوشیدہ رہتی ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ نزدیک رہنے والے بھی اِسے دیکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ جسمانی آنکھیں اس قربانی سے حاصل ہونے والی رُوحانی خوبصورتی کو دیکھنے کے ناقابل ہیں۔ لیکن یہ ہرگز خیال نہ کرو کہ جب تمہاری یہ قربانی کسی کو نظر ہی نہیں آتی تو پھر اس کے کرنے کا کیا فائدہ۔ یہ بات نہیں۔ کیونکہ اس قربانی کی خوشی دینے والی روشنی تمہارے دل و دماغ کو روشن کر دیتی ہے۔ اور دوسروں کی بھلائی کرنے کی طاقت بہت ہی بڑھ جاتی ہے۔ گو لوگ اُسے دیکھ نہیں سکتے اور شائد سمجھ بھی نہیں سکتے۔ تب بھی تمہاری اس قربانی سے نامعلوم طور پر اثر پذیر ہو رہے ہیں۔ تمہارے دل میں جو کشمکش ہو رہی ہے۔ جو لڑائی اپنی خودی کے ساتھ تم ہر روز لڑ رہے ہو اور جو فتح تم اپنے آپ پر پا رہے ہو۔ دوسروں کو اُسکا پتہ تو نہیں لگ سکتا۔ لیکن وہ تمہارے بدلے ہوئے سبھاؤ اور محبت بھرے ہوئے دل کو ضرور دیکھتے ہیں۔ اور تمہاری محبت اور خوشی سے اُن کو بھی کچھُ نہ کچھ حِصّہ مل رہا ہے۔ ہاں وہ یہ نہیں دیکھ سکتے کہ تمہارے دل میں تکبّر اور خودی کے خلاف کس قدر خوفناک جنگ ہو رہا ہے۔ تم کو کتنے زخم لگے ہیں۔ تم اُن پر کون سا مرہم لگاتے ہو۔ تمہیں کتنا دُکھ اور تکلیف اُٹھانی پڑی ہے۔ اور آخر کار تم کو کِتنی شانتی ملی ہے۔ مگر وہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ تم پہلے کی نسبت زیادہ شیریں زبان۔ نیک۔ شانت چت (پُرسکون) اور ہمت والے ہو گئے ہو۔ تم میں صبر اور حوصلہ زیادہ آگئے ہیں۔ تمہارا مزاج زیادہ نرم اور حلیم ہو گیا ہے۔ تمہاری موجودگی سے دوسروں کو آرام اور مدد ملتی ہے

اس سے بڑھ کر اَور کیا انعام ہو سکتا ہے۔ پریم کے پھولوں کی خوشبو کے مقابلہ میں لوگوں کی بیہودہ غلط اَور نامناسب تعریف کیا حقیقت رکھتی ہے۔ خود غرضی سے پاک دل کی پونر اگنی میں دنیا کی جھوٹی واہ واہ اَور خوشامد جل کر بھسم ہو جاتی ہے محبت اپنا انعام آپ ہی ہے۔ دلی آنند اَور دلی شانتی اس کا انعام ہیں۔ جذبات کی آگ سے جھلسی ہوئی روحوں کے لئے پریم ہی آخری جائے پناہ ہے۔

خودی کا تیاگ کہ جس سے پُورن گیان اَور آنند کی پراپتی ہوتی ہے۔ کسی بہت بڑے اَور شاندار کام کے پُورا کرنے سے نہیں ہوتا۔ بلکہ روزمرہ کی زندگی میں معمولی چھوٹی چھوٹی اَور لگاتار قربانیوں اَور خود غرضی پر سچائی کی فتح پانے سے رفتہ رفتہ ہوتا ہے۔ ایک ہی چھلانگ میں ہم چھت پر نہیں پہنچ سکتے۔ جو شخص اس طرح پر ہر روز خودی پر فتح پاتا ہے۔ جو کسی بُرے خیال کو دباتا۔ اَور ناپاک خواہشوں اَور پاپ کی طرف جانے سے پرہیز کرتا ہے۔ اُس کی طاقت۔ پاکیزگی اَور عقل ہر روز بڑھتی جاتی ہے۔ اَور اُس کی ہر ایک قربانی اُسے ہر صبح سچائی کے آخری جلال کے نزدیک لے جاتی ہے۔

سچائی اَور آنند کی روشنی نہ تو تم اپنے سے باہر تلاش کرو۔ اَور نہ ہی کہیں اپنے آپ سے علیحدہ کسی دُور دراز جگہ میں ڈھونڈو۔ بلکہ اپنے اندر ہی کھوجو تم اس روشنی کو نہ صرف اپنے فرض کے تنگ دائرہ میں بلکہ روزمرہ چھوٹی چھوٹی پوشیدہ قربانیوں میں ہی پاؤ گے۔

مایا تجی تو کیا ہُوا جو مان تجو نہیں جائے ۔ مان مُنی من ور غلے مان سبھی کو کھائے

موٹی مایا سب تجی جھینی تجی نہ جائے ۔ پیر پیغمبر اولیا جھینی سب کو کھائے

مطلب:- اگر تکبّر نہ چھوڑا تو دولت چھوڑنے سے کیا حاصل۔ یہی تکبّر یعنی اہنکار سب کو کھا جاتا ہے۔ موٹی موٹی چیزیں یعنی دھن دولت گھر بار۔ بیوی بچے بھی چھوڑ سکتے ہیں۔ لیکن دل کی باریک برائیوں۔ مثلاً حسد۔ بغض۔ نفرت کینہ۔ تنگ دلی۔ تکبّر۔ خود پسندی۔ خود ستائی۔ خود روی وغیرہ کو کوئی بھی

نہیں چھوڑنا۔ گو ظاہرا طور سے یہ برائیاں بہت چھوٹی اور حقیر نظر آتی ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ رشی۔ منی۔ پیر۔ پیغمبر۔ اولیا وغیرہ کی گراوٹ کا اکثر یہی باعث ہوتی ہیں۔

تکبر عزازیل را خوار کرد　　بزندان لعنت گرفتار کرد

چھٹا راستہ دکھلانے سے پیشتر پھر اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی اندرونی قربانیوں کے اندر ہی تمہاری بھلائی اور تمہاری اصلی خوشی کا راز پوشیدہ ہے۔

چھٹا راستہ

ہمدردی

درد دل کیواسطے پیدا کیا انسان کو　　ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

جب اپنی طرف دیکھو تو سختی سے کام لو۔ مگر جب دوسرے انسان کیطرف دیکھو تو نرمی سے کام لو۔ اس قسم کی کمینہ نکتہ چینی سے پرہیز کرو۔ کہ جو عام لوگوں کی زبان سے اس طرح نکلتی رہتی ہے۔ جیسے دلدلی زمین سے جنگلی گھاس پھونس۔

(ایلا ویلو ولکاکس)

مَیں زخمی آدمی سے یہ نہیں پوچھتا کہ تمہاری حالت کیسی ہے بلکہ میں خود زخمی بن جاتا ہوں۔　(والٹ وٹمان)

چو عضوے بدرد آورد روزگار　　دگر عضوہا را نماند قرار

(سعدی)

ہم نے جس قدر اپنے آپ پر قابو پالیا ہے۔ ہم اسی حد تک دوسروں

کے ساتھ ہمدردی کر سکتے ہیں۔ جب تک ہم اپنا ہی خیال رکھیں گے تو دوسروں کا خیال نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی اُن سے ہمدردی کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنی ہی تعریف۔ اپنی ہی حفاظت اور اپنی ہی رائے کا خیال کرتے رہیں گے۔ تو دوسروں کے ساتھ پریم کا برتاؤ نہیں کر سکتے۔ دُوسروں کے خیال میں اپنے آپ کو بھول جانا ہی ہمدردی ہے۔

دوسروں کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے لئے پہلے ہمیں اُن کی حالت کو سمجھنا ضروری ہے۔ اور اُن کی حالت کا ٹھیک طور سے اندازہ لگانے کے لئے ہمیں اُن کے متعلق پہلے سے قائم کردہ اپنے خیالات کو الگ رکھ دینا چاہیئے وہ جیسے ہیں اُنہیں ویسا ہی دیکھنا مناسب ہے۔ ہمیں اُن کی حالت میں داخل ہو کر اُن کی مانند دیکھ کر اُن کے احساس اور تجربہ کا اندازہ لگا کر گویا اُن کی مانند ہی بن جانا چاہیئے۔ ہم ایسا طرزِ عمل اُن لوگوں کے ساتھ تو نہیں کر سکتے کہ جن لوگوں کا تجربہ اور عقل ہم سے بڑھ کر ہیں۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں کے ساتھ ہو سکتا ہے کہ جن کو ہم اپنے سے ادنےٰ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہمدردی اور تکبّر اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ البتہ ہم اُن لوگوں کے ساتھ ہمدردی کر سکتے ہیں کہ جو ابھی تک اُن عیبوں اور گناہوں میں گرفتار ہیں کہ جن سے ہم نے رہائی پائی ہے۔ جس شخص کی بزرگی ہم سے بڑھ کر ہے۔ اُس کو ہم اپنی ہمدردی کے زیر سایہ نہیں لے سکتے۔ لیکن اُس کی ہمدردی حاصل کر کے ہم اپنے آپ کو اُن گناہوں سے بچنے کا راستہ نکال سکتے ہیں۔ کہ جن سے ہم ابھی تک جکڑے ہوئے ہیں۔ اور اُن کے ست سنگ سے لابھ اُٹھا سکتے ہیں۔ اب رہا اپنے سے ادنےٰ درجہ کے لوگوں کی نسبت سوال۔ جب تک ہم اپنی بڑائی کے گھمنڈ کو نہیں چھوڑتے۔ ہم اُن سے ہمدردی نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں اپنے تکبّر کو خیر باد کہنا ہی پڑے گا۔

تعصّب اور تنگ دلی ہمدردی کے راستہ میں بڑی بھاری رُکاوٹیں ہیں

تکبّر اور خود نمائی ہمدردی کا چشمہ ہی بند کر دیتے ہیں۔ جس شخص سے تم نفرت رکھتے ہو۔ تم اُس کے ساتھ ہمدردی کیسے کر سکتے ہو۔ اور جس سے تمہیں حسد ہے۔ اُس کی ہمدردی قبول کرنا تم پسند نہیں کر سکتے۔ تم اُس شخص کو جس کو تم نفرت کرتے ہو۔ سمجھنے کے ناقابل ہو۔ کیونکہ وہ جیسا ہے تم اُسے ویسا نہیں سمجھ سکتے۔ تم نے اُس کے متعلق جیسے نامکمّل اور غلط خیال باندھ رکھے ہیں۔ تم اُسے اُنہیں کے مطابق دیکھو گے۔ اور اپنی غلط اور بلا وجہ قائم کردہ رائے سے تم اُس کی صرف بُرائی کو ہی دیکھتے ہو۔ اس لئے تمہیں اُسکا تاریک پہلو تو نظر آتا ہے۔ روشن پہلو تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہے۔

اگر تمہیں دوسروں کی حالت سمجھنی ہو۔ تو اُن کے اور اپنے درمیان رغبت یا نفرت۔ تعصب یا بدظنی اور اپنی خود غرضانہ خواہشوں کو نہ آنے دو۔ اُن کے کاموں کی مخالفت نہ کرو۔ اُن کے عقیدوں اور راؤں کو بُرا نہ بتلاؤ۔ تم تھوڑی دیر کے لئے خود اپنے آپ کو علیحدہ رکھ کر اُن کی حالت میں چلے جاؤ۔ صرف اسی طرح پر تم اُن کے ساتھی بن کر اُن کے تجربوں اور زندگی کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہو۔ اور جب تم اُنہیں سمجھ جاؤ گے۔ تو پھر اُنہیں قابلِ الزام اور قصور وار نہ ٹھیراؤ گے۔ لوگ ایک دوسرے کو غلط سمجھتے اور بُرا بتلاتے ہیں۔ اور آپس میں ملنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کو سمجھتے نہیں اور ایک دوسرے کو اس لئے نہیں سمجھتے کیوں کہ اُنھوں نے اپنی خودی کو نہیں مارا۔ اور اپنے دل کو شدھ (پاک) نہیں کیا۔ نشوو نما اور پختگی کو ہی ترقی کہتے ہیں۔ بچہ نشوو نما کرتا ہوا بڑھتا ہے۔ اور پورا آدمی بن جاتا ہے۔ پاپی اور دھرماتما میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ صرف درجہ کا فرق ہے۔ دھرماتما ایک دن پاپی تھا۔ پاپی بھی ایکدن دھرماتما بن سکتا ہے۔ پاپی بچے کی مانند ہے۔ اور دھرماتما بڑی عمر کے پورے آدمی کی طرح۔ جو شخص پاپیوں کو بُرا سمجھ کر اپنے آپ کو اُن سے علیحدہ رکھتا ہے۔

وہ اُس شخص کی مانند ہے کہ جو چھوٹے بچوں کو بے سمجھ نادان اور کھلونوں سے کھیلنے والا سمجھ کر اُن سے دُور بھاگتا ہے۔

ساری زندگی ایک ہے لیکن اُس کے مختلف ظہور ہیں۔ پھول درخت سے کوئی علیٰحدہ چیز نہیں ہے۔ وہ اُسی درخت کا ایک حصّہ ہے۔ وہ پتّے کی ایک دوسری شکل ہے۔ بھاپ پانی سے کوئی الگ چیز نہیں وہ پانی کی ہی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ اسی طرح پر نیکی بھی بدی کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ اور دھرماتما بھی پاپی کی ایک تبدیل شدہ شکل ہے۔

پاپی وہی ہے جس کی عقل ابھی کچّی ہے۔ جو جہالت کی وجہ سے ناپاک اور غلط طریق پر چل رہا ہے۔ دھرماتما وہ ہے جس کی عقل پختہ ہو چکی ہے۔ اور جس کے اعمال کا طریق درست ہے۔ ایک پاپی دوسرے پاپی کو بُرا بتلاتا ہے۔ اور بُرا بتلانا ایک غلط اور نازیبا طریق ہے۔ لیکن دھرماتما پاپی کو بُرا نہیں کہتا۔ کیونکہ اُسے یاد ہے کہ وہ بھی کبھی پاپی تھا۔ بلکہ پاپی کو اپنا چھوٹا بھائی یا دوست سمجھ کر اُس کے ساتھ گہری ہمدردی رکھتا ہے۔ کیونکہ ہمدردی رکھنا ایک اچھا اور درست طریق ہے۔

دھرماتما سب سے ہمدردی رکھتا ہے۔ اُسے دوسروں سے ہمدردی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ وہ پاپ اور دُکھ کو جیت چکا ہے اور آنند میں رہتا ہے۔ لیکن جو مصیبت زدہ ہیں اُنہیں ہمدردی کی ضرورت ہے۔ اور جو پاپ کرتے اور دُکھ بھوگتے ہیں۔ وہ اُس کے زیادہ مستحق ہیں۔ جب انسان یہ سمجھ جاتا ہے کہ اُسے ہر ایک پاپ سے خواہ وہ خیال سے کیا جائے یا عمل سے ضرور دُکھ اُٹھانا پڑے گا۔ تب وہ دوسروں کو بُرا بتلانا چھوڑ دیتا ہے۔ اور اُن کے ایسے دُکھوں کو دیکھ کر کہ جو پاپ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کے ساتھ ہمدردی کرنا شروع کر دیتا ہے۔ مگر اُسے ایسی سمجھ تب ہی حاصل ہوتی ہے جب وہ اپنے دل کو شُدھ اور

پوتر بنا لیتا ہے۔

جب انسان اپنے دل سے ناپاک ترغیبوں کو نکال ڈالتا ہے اور خود غرضانہ خواہشات کو دُور کر دیتا ہے۔ اور تکبّر کو پاؤں تلے کُچل ڈالتا ہے۔ تب وہ انسانی زندگی کے تجربوں کا اندازہ کر لیتا ہے۔ یعنی سب گناہ اور اُن سے پیدا شدہ دکھدائی عذاب۔ تمام انسانی اغراض۔ خیالات اور اعمال کا پوری طرح سے اندازہ لگا لیتا ہے۔ اور اخلاقی اصول کو ٹھیک طور سے سمجھ لیتا ہے۔ مکمّل خود ضبطی ہی مکمّل گیان اور کامل ہمدردی کا پیش خیمہ ہے۔ اور جو شخص اپنے پاک دل کی صاف نگاہ سے دوسروں کو دیکھتا ہے۔ وہ اُن پر ضرور رحم کرتا ہے۔ اُنہیں اپنے ہی جسم کا حِصّہ سمجھتا ہے۔ وہ پاپی کو اپنے سے جدا نہیں دیکھتا۔ بلکہ اُسے اپنا ہی ایک انگ (حصّہ) خیال کرتا ہے۔ اور پاپیوں کے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ جیسے پہلے میں نے پاپ کئے تھے۔ ویسے ہی یہ بھی کر رہے ہیں۔ جیسے میں نے دُکھ اُٹھائے تھے۔ ویسے ہی یہ بھی اُٹھا رہے ہیں اور وہ اس خیال سے خوش ہوتا ہے کہ جیسے میں نے آخرکار شانتی حاصل کی ہے۔ ویسے ہی وہ بھی حاصل کر لیں گے۔ اصلی نیک اور دانا شخص جوشیلا اور متعصّب نہیں ہوتا بلکہ وہ سب سے ہمدردی رکھتا ہے۔ وہ نہ تو دوسروں کی بُرائی کو بُرائی کہتا ہے۔ اور نہ ان کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ پاپی کو پاپ پیارا لگتا ہے۔ کیونکہ پاپی پاپ کے دُکھ اور کلیش کو نہیں دیکھتا۔ اور جب دُکھ اور کلیش اُسے آگھیرتے ہیں۔ تو وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اُس کے دکھ اور کلیش کی کیا وجہ ہے۔

انسان کی ہمدردی وہاں تک ہی پہنچ سکتی ہے۔ جہاں تک اُس کی عقل کی رسائی ہوتی ہے۔ اُس سے آگے نہیں۔ انسان جتنا نرم دل اور رحم دل ہوتا جاتا ہے۔ وہ اُتنا ہی دانا بنتا جاتا ہے۔ اپنی ہمدردی کے

دائرہ کو تنگ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ تم اپنے دل کو تنگ کر رہے ہو اور اپنی زندگی کو تلخ اور تاریک بنا رہے ہو۔ برعکس اس کے ہمدردی کے دائرہ کو بڑھانے کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے دل کو فراخ اور زندگی کو زیادہ روشن اور بشاش بنا رہے ہو۔ اور دوسروں کے لئے روشنی اور خوشی کے راستہ کو صاف کر رہے ہو۔

دوسرے کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے یہ معنے ہیں کہ تم اُس کے وجود کو اپنا ہی وجود سمجھو۔ اور اُس کے ساتھ ایک ہو جاؤ۔ کیونکہ خودغرضی سے خالی پریم دونوں کو اس طرح سے ملا دیتا ہے کہ پھر وہ جدا نہیں ہو سکتے بمصداق

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

مطلب :- میں تو ہو گیا اور تو میں ہو گیا۔ میں جسم بنا اور تو اُس کے اندر جان بن گیا۔ تاکہ پھر کوئی یوں نہ کہہ سکے کہ میں کچھ اور ہوں اور تو کچھ اور۔

جس کی ہمدردی نہ صرف انسانوں تک بلکہ سب جانداروں تک پہنچتی ہے۔ وہ یہ سمجھ گیا ہے کہ وہ اور ساری کائنات ایک ہی وجود ہیں یہ آپس میں جدا نہیں اور اس طرح سے وہ عالمگیر پریم۔ اصول اور عقل کو جان لیتا ہے۔

جو شخص دوسروں کو اپنی ہمدردی سے جتنا محروم رکھتا ہے وہ اُتنا ہی سُکھ شانتی اور سچائی سے خود بھی محروم رہتا ہے۔ جہاں پر اُس کی ہمدردی ختم ہوتی ہے۔ وہاں سے ہی تاریکی دُکھ اور ہلچل شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم دوسروں کو اپنی ہمدردی سے دُور رکھتے ہیں۔ تو ہم بھی پریم کے آنند سے دُور رہتے ہیں۔ اور خودغرضی کی اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھے سڑتے رہتے ہیں۔" جو شخص ہمدردی سے خالی دل لے کر ایک قدم بھی اُٹھاتا ہے۔ وہ گویا کفن میں لپٹا ہوا اپنی قبر کی طرف جا رہا ہے۔" سچائی

کی لامحدود درخشنی صرف اُسی وقت دکھائی دیتی ہے کہ جب انسان کی ہمدردی بیدار ہوجاتی ہے۔ کیونکہ بے حد خوشی بے حد محبت میں ہی پائی جاتی ہے۔

ہمدردی آنند ہے۔ ہمدردی میں ہی سب سے اعلیٰ اور سب سے پاک راحت ملتی ہے۔ ہمدردی سورگ ہے۔ کیونکہ اس کی روشنی میں خود غرضی کے سارے خیال نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اور پھر باہمی یگانگت میں پاک پریم یعنی آتما کی ایکتا کا نہ مٹنے والا میل (اتحاد) ہی رہ جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمدردی چھوڑ دینے سے انسان ایک معنوں میں مُردہ ہوجاتا ہے۔ نہ وہ دیکھتا ہے نہ جانتا ہے نہ محسوس کرتا ہے۔

جب تک انسان دوسروں کے متعلق خود غرضانہ خیالات کو اپنے دل سے نہیں نکال دیتا۔ تب تک وہ اُن کے ساتھ سچی ہمدردی نہیں رکھ سکتا۔ جو سچی ہمدردی رکھتا ہے وہ دوسروں کو ویسا ہی دیکھنے کی کوشش کرتا ہے جیسے کہ وہ ہیں۔ وہ اُن کے مخصوص گناہوں۔ ترغیبوں۔ دکھوں۔ اعتقادوں۔ راؤں اور تعصبات کو ٹھیک طور پر جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ اور آخرکار یہ جان لیتا ہے کہ وہ لوگ اپنی روحانی نشوونما کے کس درجہ تک پہنچے ہیں۔ ان کا تجربہ کہاں تک ہے۔ اور وہ اپنے اعمال کو نہیں بدل سکتے۔ کیونکہ اُن کے خیالات اور اعمال اُن کے موجودہ تجربہ اور سمجھ کے مطابق ہی بن چکے ہیں۔ اگر اُن کی سمجھ اچھی ہوتی تو وہ کام بھی اچھے کرتے۔ چونکہ سمجھ ناقص ہے اس لئے وہ کام بھی بُرے ہی کرتے ہیں۔ اور جب اُن کا تجربہ اور عقل پُختہ اور بہتر ہوجائیں گے۔ تو اُن میں تبدیلی آسکتی ہے۔ تاہم اچھی سنگت کے ذریعہ اُن کا گیان بڑھ سکتا ہے۔ اور اُن کو مدد مل سکتی ہے۔ لیکن کوئی شخص مصنوعی طور پر یا زبردستی اُنہیں بہتر نہیں بنا سکتا۔ پریم اور دانائی کے پودوں کو بڑھنے کے لئے وقت درکار ہے۔ اور نفرت و نادانی کی سخت شاخیں ایک دن میں کاٹ کر نہیں پھینکی جا سکتیں۔

ایسا شخص اپنے ساتھ میل جول رکھنے والے سب شخصوں کی اندرونی

زندگی کا دروازہ ڈھونڈ لیتا ہے۔ اور اُسے کھول کر اندر چلا جاتا ہے۔ اور اُنکے دل کے مندر میں اُن کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ یہاں پر اُسے نہ تو کوئی چیز نفرت کے قابل ملتی ہے نہ ہی بُرا کہنے کے لائق۔ اب یہاں اُسے پریم اور سیوا کرنے کے موقعہ ملتے ہیں۔ اور خود اُس کے اپنے دل میں زیادہ رحم زیادہ دھیرج یا استقلال اور زیادہ پریم کی جگہ بن جاتی ہے۔ اور اپنے آپ کو سب میں دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ سب ہی انسان ایک طرح کے ہیں۔ اور اُن کے سبھاؤ بھی مجھ جیسے ہی ہیں۔ مختلف نہیں۔ فرق صرف کمی بیشی کا ہے۔ اگر اُن کے اندر گناہ کرنے کا میلان ہے تو اُس کے اپنے اندر بھی ویسا ہی میلان ہے۔ اگرچہ وہ میلان اب دب گیا ہے۔ اور پاک بن گیا ہے۔ اگر دوسروں میں پاکیزگی اور پرہیزگاری زیادہ ہے تو اُس کے اندر بھی پاکیزگی اور پرہیزگاری تو موجود ہے۔ مگر وہ ابھی تک کافی طاقتور ہو کر پُختہ نہیں ہوئی۔

قدرت کے ایک دفعہ چُھو لینے سے تمام کائنات ایک ہو جاتی ہے۔ یعنی بھکارنی کے دُکھ کو دیکھ کر رانی کا دل بھی پگھل جاتا ہے۔ دونوں کے اندر ایک سا ہی دل موجود ہے۔

ایک کا گناہ سب کا گناہ ہے۔ اور ایک کی نیکی سب کی نیکی ہے۔ کوئی انسان بھی دوسرے انسان سے جدا نہیں۔ فطرتوں میں کوئی فرق نہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف حالتوں میں ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا خیال کرتا ہے کہ وہ اپنی بہتر اور پاکیزہ زندگی کی وجہ سے دوسروں سے افضل اور جُدا ہے۔ تو یہ اُس کی غلطی ہے۔ اور وہ تاریکی میں پڑا ہے۔ انسانیت ایک ہے۔ ہمدردی کے مندر میں دھرماتما اور پاپی ملتے اور ایک ہو جاتے ہیں۔ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند۔ کہ در آفرینش ز یک جوہر اند معنے :۔ نوع انسان ایک دوسرے کے انگ ہیں۔ کیونکہ سب کی پیدائش ایک ہی جوہر سے ہوئی ہے۔ حضرت عیسےٰ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس نے ساری دنیا کے گناہوں کا بوجھ اپنے اُوپر لے لیا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے اپنے آپکو

گنہگاروں سے جُدا نہیں سمجھا - بلکہ اپنے آپ کو بھی اُن جیسا ہی سمجھا - اور اس کا ثبوت اُس کی زندگی سے ملتا ہے - اُس نے بڑے سے بڑے گنہگاروں کو بھی جنہیں لوگ سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے - اور جن کے سائے سے بھی دُور بھاگتے تھے - اپنے سینہ سے لگایا اور اُن کے ساتھ گہری ہمدردی دکھلائی

ہمدردی کی سب سے زیادہ ضرورت کس کو ہے؟ دھرماتما کو نہیں - گیانی یا عالم کو نہیں - بجتنہ دماغ کو نہیں - بلکہ پاپی کو - جاہل کو - اور کچّی عقل والے کو ہے - کیونکہ جو شخص جتنی زیادہ غلط کاری کرتا ہے - اُسے اُتنی ہی زیادہ ہمدردی کی ضرورت ہے - مسیح نے کہا ہے "میں دھرماتماؤں کو نہیں - بلکہ گنہگاروں کو راہِ راست پر لانے کے لئے آیا ہوں" - پرہیزگاروں کو تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں - بلکہ اُس کا مستحق گنہگار ہے - جسے اُس کی زیادہ ضرورت ہے - جو شخص ایک عرصہ تک بُرے کاموں کی وجہ سے مصیبت اور عذاب کا بوجھ اکٹھا کرتا رہا ہے - وہی ہمدردی کا محتاج ہے -

ایک گنہگار دوسرے گنہگار کو بُرا بتلاتا اور قصور وار ٹھہراتا ہے - اور اُس سے نفرت کرتا ہے - اگرچہ وہ خود بھی ایک یا دوسری قسم کے گناہ میں مبتلا ہے - سب قسم کے گناہ بے سمجھی سے پیدا ہوتے ہیں - مگر ہمدردی نہ رکھنا اور ایک دوسرے کو بُرا بتلانا بھی تو بے سمجھی ہی ہے - جب تک انسان گناہ میں گرفتار رہتا ہے - وہ اپنے جیسے دوسرے گنہگاروں کو کوستا اور بُرا بھلا کہتا رہتا ہے جو شخص جتنا زیادہ گنہگار ہوتا ہے - وہ اُتنا ہی زیادہ زور کے ساتھ دوسروں کو بُرا بتلاتا ہے - مگر جب انسان کو اپنے گناہ کا احساس ہونا شروع ہوتا ہے تو وہ پاکیزگی اور دانائی کی صاف روشنی میں آنا شروع کرتا ہے - اور یہ روشنی پاکر وہ دوسروں کو بُرا بھلا کہنا چھوڑ کر اُن کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے - مگر گنہگاروں کی یہ باہمی تو تو میں میں لڑائی جھگڑے دنگا فساد - رہنے ضروری ہیں - کیونکہ قدرت کے اٹل قانون کے عملدرآمد کا طریقہ ہی یہ ہے - وہ گنہگار

جو اپنے گناہ کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کی لعنت ملامت کا نشانہ بنتا ہے۔ اگر وہ انکساری اور عاجزی سے اس ملامت کو قبول کرے۔ تو وہ جلدی ہی بدی سے نکل کر راہ راست پر آنا شروع کر دیتا ہے۔ تب وہ پختہ ارادہ کر لیتا ہے۔ کہ آیندہ وہ کبھی دوسروں کو لعنت ملامت نہ کیا کرے گا۔

جو شخص درحقیقت دانا اور نیک ہے وہ دوسروں کی عیب جوئی نہیں کرتا وہ خود غرضی اور اندھے جذبات کو چھوڑ کر پریم اور شانتی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ سب قسم کے گناہوں اور اُن سے پیدا ہونیوالے دُکھ اور عذاب کو جانتا ہے۔ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر گیان کی روشنی حاصل کرتا ہے۔ خود غرضی چھوڑ کر دوسروں کو ویسا ہی دیکھتا ہے۔ جیسے کہ وہ ہیں۔ اُن سے پاک ہمدردی رکھتا ہے۔ اگر وہ لوگ اُس کی بُرائی کریں یا اُسے بدنام کریں تو تب بھی وہ اُن پر اپنی ہمدردی کا سایہ ڈالتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ لوگ اپنی ناسمجھی کے باعث مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ اُن کے بُرے کاموں کا پھل ان ہی کو بھوگنا پڑے گا۔

جن کو تم اب نفرت کرتے ہو اپنی خود ضبطی اور اعلیٰ گیان کے ذریعہ اُنہیں محبت کرنا سیکھو۔ اُن سے ہمدردی کرو۔ جو تمہیں نفرت کرتے ہیں تم اُن کی برائی کی طرف دھیان نہ دو۔ بلکہ اپنے دل کو ٹٹولو۔ شاید تمہارے اپنے ہی دل میں کچھ ناجائز۔ نامناسب یا نا ملائم خیالات ہوں۔ کہ جن کو معلوم کر کے اور سمجھ کر تم خود ہی اپنے آپ کو ملامت کرو گے۔

عام طور پر جسے ہمدردی کہتے ہیں وہ دراصل ہمدردی نہیں۔ بلکہ ایک طرح کا ذاتی لگاؤ یا اُنس ہے۔ جو ہمیں پریم کرتے ہیں اُنہیں پریم کرنا ایک طرح کا انسانی خاصہ ہے۔ لیکن اُن کو پریم کرنا کہ جو ہمیں پریم نہیں کرتے اصل ہمدردی ہے۔

ہمدردی کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ دنیا میں دکھ اور مصیبت پھیلے

ہوئے ہیں۔ دنیا میں ایسا کوئی بھی انسان نہیں کہ جسے کبھی نہ کبھی دُکھ نہ ہُوا ہو۔ دُکھ کو دیکھ کر ہی ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ ایک سال یا ایک عمر یا ایک زمانے کے دُکھ کے ذریعہ انسان کا دل نرم یا پاک نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کئی زندگیوں میں بار بار دُکھ بھوگ کر۔ اور کئی زمانوں میں بار بار عذاب اُٹھا کر انسان اپنے تجربہ کی ہری بھری فصل کاٹتا ہے۔ اور پریم وگیان کے پختہ اور بے بہا پھل حاصل کرتا ہے۔ تب کہیں جا کر اُسے سمجھ آتی ہے۔ اور وُہ اس سمجھ کے ذریعہ ہمدردی کرنا سیکھتا ہے۔

تمام دُکھ اور عذاب، بے سمجھی اور قانونِ قدرت کے توڑنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ بار بار قانون توڑنے سے بار بار اسی قسم کا دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے۔ سزا پانے پر قانون کی سمجھ آتی ہے۔ اور پھر قانون شکنی سے بچ کر دانائی کی حد تک پہنچتے ہیں۔ تب ہمدردی کا پوتر اور سندر پھول کھل جاتا ہے۔

ہمدردی کا ایک پہلو دیا یعنی رحم ہے۔ دُکھ اور درد سے کراہتے ہوئے انسانوں کو سُکھ پہنچانے اور اُن کا دُکھ دور کرنے کے لئے رحم کی ضرورت ہے۔ دنیا کو رحمدلی کے سوُرگی وصف کی ازحد ضرورت ہے۔ رحمدلی کمزوروں کے لئے دنیا کی مصیبتوں کو ہلکا کر دیتی ہے۔ اور طاقتوروں کو شرافت سکھلاتی ہے۔ سختی۔ بیدردی۔ عیب جوئی۔ انتقام اور غُصہ کو دُور کرنے سے رحم بڑھتا ہے۔ جو شخص کسی پاپی کو پاپ کا پھل بھوگتے دیکھ کر اپنے دل کو سخت بنا لیتا ہے۔ اور یہ خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "اچھا ہُوا۔ یہ اپنے گناہ کی سزا بھگت رہا ہے"۔ ایسا شخص نہ تو رحم کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی رحمدلی کا مرہمِ شفا کسی کے زخمی دل پر لگا سکتا ہے۔ انسان جب کسی پر۔ خواہ وُہ بے زبان جانور ہی کیوں نہ ہو بے رحمی کرتا ہے۔ یا اُن کے ساتھ ہمدردی ظاہر نہیں کرتا تو وُہ اپنے آپ کو تنگ دل بنا لیتا ہے۔ وُہ دائمی خوشی سے محروم ہو کر دکھ اُٹھانے کی تیاری کر رہا ہے۔

ہمدردی کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ ہم اپنے سے زیادہ کامیاب شخصوں کی کامیابی پر خوش ہوں - اور اُن کی کامیابی کو اپنی ہی کامیابی سمجھیں - وہ شخص مبارک ہے کہ جو حسد اور بغض سے خالی ہے - اور جو اُن لوگوں کی خوش قسمتی اور خوش حالی کی خبریں سُن کر خوش ہوتا ہے - کہ جو اُسے اپنا دشمن خیال کرتے ہیں

اپنے سے کمزور اور بے بس جانوروں کی حفاظت کرنا بھی ہمدردی کا ہی ایک پہلو ہے - ایسے بے زبان جانوروں کی حفاظت کے لئے بہت گہری ہمدردی کی ضرورت ہے - طاقت کی خوبصورتی تو یہ ہے کہ کمزوروں کی حفاظت کی جائے - نہ کہ اُنہیں برباد کیا جائے - زندگی کا مقصد کمزوروں کو بے پرواہی کے ساتھ نیست و نابود کرنے سے نہیں بلکہ اُنکی حفاظت کرنے سے حاصل ہوتا ہے - "ساری زندگی ایک ہی رشتہ میں بندھی ہوئی ہے"۔

ادنےٰ سے ادنےٰ جاندار اعلیٰ سے اعلیٰ جاندار سے صرف طاقت اور سمجھ کے لحاظ سے جُدا ہے - ورنہ سب جاندار ایک ہی ہیں - جب ہم اُن پر رحم اور اُن کی حفاظت کرتے ہیں - تو ہمارا سوُرگی جیون نشوونما پاتا اور ہمارا آنند بڑھ جاتا ہے - اور جب ہم سنگ دلی سے کسی کو تکلیف پہنچاتے یا کسی جاندار کو تباہ کرتے ہیں - تو ہمارا سورگی جیون دھندلا ہو جاتا اور ہمارا آنند مُرجھا کر مر جاتا ہے - خواہ کوئی جاندار دوسرے جاندار کی خوراک ہو - لیکن انسان کی انسانیّت صرف رحمدلی - محبت - ہمدردی - پاکیزگی اور بے غرضانہ اعمال سے بڑھتی اور ترقی کرتی ہے -

دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے سے ہم اپنے سے دوسروں کی ہمدردی بڑھاتے ہیں - عملی ہمدردی کبھی ضائع نہیں جاتی - ادنےٰ سے ادنےٰ جاندار بھی ہمدردی کے سوُرگی احساس سے مؤثر ہوتا ہے - کیونکہ ہمدردی کل دنیا کی ایک ایسی مشترکہ زبان ہے کہ جسے سب جاندار سمجھتے ہیں - حال ہی میں مَیں نے ایک سچا واقعہ سُنا ہے -

ڈارٹ مور قصبہ کے جیل خانہ میں ایک قیدی تھا۔ جسنے اپنی زندگی
کے چالیس سال مختلف جرموں کی وجہ سے قید خانوں میں گذارے تھے۔
اور وہ بڑا تند خو۔ سنگ دل۔ خوفناک اور ظالم سمجھا جاتا تھا جیل خانوں کے
پہریدار اور دیگر لوگ اُس کے سدھرنے کی کوئی اُمید نہ رکھتے تھے۔ وہ جس
کوٹھڑی میں رہتا تھا ایک دن وہاں ایک کمزور خوفزدہ چوہا اپنے دشمنوں کے
تعقّب کئے جانے پر ہانپتا کانپتا اور بچتا ہوا آگھسا۔ قیدی کو اُس کی بیکس
اور کمزور حالت دیکھ کر رحم آگیا۔ چوہے کی اس حالت کا خیال آتے ہی اُسے
خود اپنی حالت کا دھیان ہوا۔ جس سے اُس کے دل میں ہمدردی کا جذبہ
بھڑک اُٹھا کہ جو مدت سے بُرے کام کرتے کرتے اُس کی سنگ دلی کی راکھ
کے نیچے دب چکا تھا۔ جسے اُبھارنے کے لئے ابھی تک کوئی انسان بھی کامیاب
نہ ہوسکا تھا۔ جونہی اُس نے چوہے پر رحم کھایا تو وہ چوہا ہی اُس کے لئے
فرشتۂ رحمت بن گیا۔ اب وہ قیدی اپنے کھانے پینے میں سے کچھ حصّہ
اس چوہے کو بھی دینے لگا۔ رفتہ رفتہ اُسے چوہے سے بہت پیار ہوگیا
جس سخت اور ظالم دل میں کسی طاقتور کے لئے بھی کوئی رحم نہ تھا۔ ایک
بیکس چوہے کے لئے ہمدردی پیدا ہوگئی۔ اب اُس کا دل بھی پسیجنے
لگا۔ نوع انسان سے بھی اُس کی نفرت کم ہوگئی۔ وہ پہلے جتنا سرکش اور
نافرمانبردار تھا اب وہ اُتنا ہی نرم دل اور تابعدار بن گیا۔ پہریدار اُس کی
اس تبدیلی کو دیکھ کر معجزہ سمجھے۔ اور حیرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔
سب ہی لوگ حیران تھے کہ ایسا سنگدل شخص ایسا نرم دل کیونکر بن
گیا۔ اُس کا چہرہ بھی بدل گیا۔ آنکھوں اور ہونٹوں کی خوفناک شباہت
میں آہستہ آہستہ محبت اور نرم مزاجی کی روشنی کی جھلک پیدا ہوگئی
جہاں پہلے ہر وقت تیوڑی چڑھی رہا کرتی تھی اب مسکراہٹ رہنے
لگی۔ اب وہ بدکار۔ گنہگار۔ اور خوفناک ہی نہ رہا۔ بلکہ اُس کا کفارہ

ہوگیا اور انسان بن گیا۔ ایک کمزور بے زبان اور بیکس جاندار پر ترس کھانے سے اُس کا اپنا دل نیکی کی روشنی سے بھر گیا۔ اب وہ نیکی کے راستہ پر چلنے لگا جیل خانہ کے افسروں کو جب خبر ہوئی تو اُسے فوراً رہا کر دیا گیا۔ وہ رہائی کے وقت اُس چوہے کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گیا۔

اس طرح پر دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے سے ہمارے دلمیں ہمدردی کا خزانہ بڑھتا ہے۔ اور ہماری زندگی سُپھل ہو جاتی ہے۔ ہمدردی کا دان کرنے سے آنند ملتا ہے۔ اور ہمدردی نہ رکھنے سے ہماری خوشی جاتی رہتی ہے۔ انسان جتنی زیادہ ہمدردی رکھتا ہے اُتنا ہی وہ ایک نمونہ کی زندگی اور مکمّل خوشی کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اور جب اُس کا دل اسقدر نرم ہوتا جاتا ہے کہ اُس میں کوئی سخت کڑوا یا بے رحمی کا خیال داخل نہیں ہو سکتا۔ اور اُس کی دائمی مٹھاس کو کم نہیں کر سکتا۔ تب وہ حقیقی آنند کو حاصل کرتا اور روحانی آرام گاہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

ساتویں راستہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنے دل کو ہمدردی سے بھر لو۔

ساتواں راستہ

معافی یا درگذر (کھشما)

"اگر ہمیں اُن لوگوں کی تہید ستی۔ مُفلسی اور دُکھ کا علم ہوتا۔ جو رات دن تکلیف میں مبتلا ہیں اور جن کا اندازہ ہم بے رحمی اور کوتاہ نظری سے کرتے ہیں اور جن کے دلوں کو ہم غلط فہمی سے ٹھیس لگاتے ہیں۔ تو ہم اُن کے زخموں پر نمک چھڑکنے کی بجائے زیادہ ملائم الفاظ اور ہمدردی کے ساتھ مرہم شفا کا پھاہا رکھتے۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ہم دوسروں کی حالت کا ٹھیک اندازہ نہیں لگاتے"۔

"مہربانی کرنا بدلا لینے کی نسبت بہت اچھا ہے"۔ (شیکسپیئر)

دوسروں کی طرف سے پہنچائی گئی تکلیف کو یاد رکھنا روحانی تاریکی ہے اور بدلا لینے کے منصوبے باندھتے رہنا روحانی خودکشی ہے۔ درگذر یا معاف کرنے کا خیال دل میں لانا اور اُس پر کاربند ہونا روحانی روشنی کی ابتدا اور شانتی و سُکھ کا آغاز ہے۔ جو شخص بدسلوکیوں اور بُرائیوں کو یاد کرتا رہتا ہے۔ اُس کے دل میں شانتی کہاں؟ جو یہ خیال کرتا ہے کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ نامناسب برتاؤ کیا تھا۔ میں بھی اُس سے بدلا لے کر رہونگا۔ اور اُسے ایسی زک پہنچاؤں گا کہ وہ بھی یاد رکھے گا۔ ایسے شخص کے دل میں امن و چین تو رہ ہی نہیں سکتا۔ جس دل میں بدلا لینے اور نقصان پہنچانے کی ہل چل مچی ہوئی ہے۔ اُس میں خوشی اور سُکھ کہاں؟ کیا کوئی پرندہ درخت کی کسی ایسی شاخ پر جسے آگ لگی ہوئی ہے اپنا گھونسلا بنا کر اور اُس میں بیٹھ کر راگ گائے گا؟ اسی طرح جس دل میں

بدلا لینے کی آگ شعلہ زن ہے۔ اُس میں خوشی آکر کیونکر رہ سکتی ہے۔ اب بتلاؤ کہ جہاں پر ایسی بے وقوفی اور جہالت بستی ہو وہاں پر عقل اور دانائی کے رہنے کے لئے جگہ کہاں؟

بدلا لینا اُسی انسان کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ جس نے معافی اور درگذر کی لذّت نہیں چکھی۔ جب درگذر کا سواد چکھ لیا جاتا ہے تو بدلا لینے کا ذائقہ سخت کڑوا معلوم ہوتا ہے۔ جو لوگ بُرے جذبات کی تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کو بدلا لینا پسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب غصّہ وغیرہ کا بُرا خیال دل سے دُور ہو جاتا ہے۔ اور درگذر کی نرمی دل میں موجود ہوتی ہے۔ تب یہ صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ بدلا لینے سے دُکھ ہی پیدا ہوتا ہے۔

انتقام ایک ایسا زہر ہے کہ جو دل کے نازک حصّوں کو فناہ کر دیتا ہے۔ اور رُوح کو زہریلا بنا دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا دماغی بخار ہے کہ جو دل کی بہترین طاقتوں کو زائل کر ڈالتا ہے۔ اور "بُرا ماننا" ایک ایسا اخلاقی مرض ہے کہ جو نیکی اور رحمدلی کی ہری بھری جڑ کو سُکھا ڈالتا ہے۔ اِن برائیوں سے سب کو بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

درگذر نہ کرنا اور بدلا لینے کی خواہش رکھنا دُکھ اور تکلیف کا باعث ہوتے ہیں۔ جو شخص ایسی برائیوں سے بچنے کی بجائے اُنہیں اپنے دل میں پالتا رہتا ہے۔ اور بڑھاتا جاتا ہے۔ وہ بہت سکھوں اور آنند سے محروم رہتا ہے۔ وہ روحانی روشنی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ دل کو پتھر کی طرح سخت بنا لینے سے دُکھ ہی ملتا ہے۔ اور انسان روشنی وامن وچین کے پاک حصول سے محروم رہتا ہے۔ نرم دلی سے سچی خوشی ملتی ہے۔ انسان روشنی اور شانتی حاصل کرتا ہے۔ بعض لوگوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ سخت دل اور درگذر نہ کرنے والے لوگ سب سے زیادہ تکلیف پاتے

ہیں۔ لیکن ہے یہ بات بالکل سچ۔ کیونکہ ایسے لوگ قوتِ کشش کے قانون کے مطابق نہ صرف دوسروں کے دلوں میں پیدا شدہ انتقام کے جذبات کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ بلکہ وہ خود اپنی سنگدلی کی وجہ سے بھی رات دن دُکھ بھوگتے رہتے ہیں۔

جب کوئی شخص اپنے دل کو دوسرے کی طرف سے سخت کر لیتا ہے تو وہ پانچ قِسم کے دُکھ اُٹھاتا ہے۔ (۱) دوسروں کے پریم سے محروم رہنے کا دُکھ۔ (۲) دوسروں سے میل جول نہ کرنے کا دُکھ۔ (۳) دل کو چین اور آرام نہ ملنے کا دُکھ۔ (۴) عزّت اور بڑائی نہ ہونے کا دُکھ۔ (۵) دُوسروں سے پہنچائی گئی تکلیف کا دُکھ۔ اور یہی پانچ دُکھ اس شخص کو بھی ہوتے ہیں کہ جو درگذر یا معاف نہیں کرتا۔ اسی طرح اُس شخص کو پانچ طرح کے سُکھ ملتے ہیں جو درگذر کرتا ہے۔ (۱) دُوسروں کو پریم کرنے کا سُکھ۔ (۲) دُوسروں سے میل جول کا سُکھ۔ (۳) شانتی اور پُرسکون دل کا سُکھ۔ (۴) جذبات کو دبانے اور تکبّر پر فتح پانے کا سُکھ۔ (۵) دوسروں کی نیک خواہش اور مہربانی کا سُکھ۔

ہزاروں لوگ درگذر نہ کرنے کی وجہ سے سخت تکلیف اُٹھا رہے ہیں۔ جب وہ اس عادت کو دُور کر کے اس پر فتح حاصل کر لیں گے تب اُنہیں معلوم ہوگا کہ ہم کیسے بے رحم اور سنگ دل مالک کے غلام بنے ہوئے تھے۔ جو شخص بدلا لینے کی بُری عادت کی غلامی کو چھوڑ کر درگذر جیسی اچھی عادت کی ماتحتی اختیار کریں گے۔ اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ پہلی خدمت کس قدر دُکھ اور عذاب پہنچانے والی اور دوسری خدمت یعنی درگذر کرنا کس قدر سُکھ اور شانتی دینے والی ہے۔

دیکھو تو سہی دُنیا میں کس قدر جنگ و جدل۔ لڑائی جھگڑے۔ دشمنی اور فساد پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک انسان دُوسرے انسان سے۔ ایک

ہمسایہ دوسرے ہمسایہ سے۔ ایک قوم دوسری قوم سے۔ ایک مذہب والے دوسرے مذہب والے سے لگاتار لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے بدلا لینے کے خیال میں لگے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جس سے کتنے دل ٹوٹتے ہیں۔ کتنے آنسو بہائے جاتے ہیں۔ غلط فہمی سے دوست دوست سے جُدا ہوجاتا ہے۔ بھائی کا بھائی دشمن بن جاتا ہے۔ باہمی لڑائی جھگڑوں سے مصیبت۔ عذاب۔ دُکھ۔ تکلیف۔ رنج و غم ہی نہیں۔ بلکہ کُشت و خُون تک کی نوبت پہنچتی ہے۔ ذرا گہری توجہ سے دُنیا کی اس مصیبت کو اپنے سامنے لاؤ۔ جو شخص اس خوفناک نظارے کو دیکھ کر جاگ اُٹھتا ہے۔ پھر وہ درگذر نہ کرنے اور دُوسروں کی باتوں اور کاموں سے دفعتاً رنجیدہ خاطر ہوجانے کا شکار کبھی نہیں بنتا۔

"تمام جانداروں کے ساتھ بھلائی کرو۔ بے رحمی کو دل سے دُور کردو۔ لوبھ لالچ اور غُصہ کو چھوڑ دو۔ تاکہ تمہاری زندگی فرحت بخش نسیم سحری کی مانند ہوجائے"

جب کوئی شخص بدلا لینے کے خیال کو چھوڑ کر معاف کرنا سیکھ لیتا ہے تو گویا تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجاتا ہے۔ درگذر نہ کرنے میں اتنا اندھکار (جہالت) ہے کہ کوئی بھی دانا اور سمجھدار شخص اسے قبول نہ کرے گا۔ لیکن دِقّت یہ ہے کہ جب تک انسان بدلا لینے کی بُری عادت کو نہیں چھوڑتا اور نیک رویہ اختیار نہیں کرتا۔ تب تک اُسے یہ تاریکی تاریکی ہی نظر نہیں آتی۔ انسان اپنی سیاہ کاریوں اور گناہ آلودہ خواہشوں سے اندھا ہوکر دھوکا کھا رہا ہے۔ درگذر نہ کرنے کی بُری عادت کو چھوڑ دینے کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے تکبّر پر فتح پالیتا ہے۔ اپنے بُرے جذبات کو مغلوب کرلیتا ہے۔ اور اپنے مان اور بڑائی کے خیال کو چھوڑ دیتا ہے۔ اب وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ میں ہی چودھری ہُوں۔ اب اس میں بہتر زندگی۔ اعلیٰ دانائی اور پوتّر گیان جو پہلے تکبّر اور بُرے جذبات کے اندھیرے میں پوشیدہ تھے۔ اپنی پوری روشنی اور خوبصورتی کے ساتھ ظاہر

ہوجاتے ہیں۔

چھوٹے چھوٹے الاہنے۔ طعنے۔ نکتہ چینی اور شکر رنجی وغیرہ اگرچہ گہری نفرت اور سخت انتقام سے گھٹیا نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ عیب بھی چال چلن کو اونے اور رُوح کو ناپاک بنا دیتے ہیں۔ یہ نقص خودی اور اپنے آپ کو بڑا سمجھ لینے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور خود نمائی کی زمین میں نشو و نما پاکر سرسبز ہوتے ہیں۔ جو شخص خود نمائی سے اندھا ہو کر دھوکے میں آجاتا ہے۔ اُسے دوسروں کی بات چیت اور کاموں میں کوئی نہ کوئی ایسی وجہ نظر آتی ہی رہے گی کہ جس سے وہ رنجیدہ خاطر ہوتا رہے۔ اس میں جتنی خود نمائی و خود پسندی زیادہ ہوگی۔ وہ اُتنا ہی دوسروں کے کہنے سننے کا بُرا ماننا اور رنجیدہ ہوتا رہے گا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے بار بار رنجیدہ اور بُرا ماننا۔ نفرت کے جذبہ کو بڑھاتا اور زیادہ سے زیادہ تاریکی۔ مصیبت اور گمرہی کی طرف لے جاتا ہے۔ تم کسی کی بات کا بُرا نہ مانو۔ اور رنجیدہ نہ ہو۔ یعنی گھمنڈ اور اہنکار کو چھوڑ دو۔ اور دوسروں کے دل کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اُن کے احساس کو ٹھیس نہ لگاؤ۔ رحم کرنا۔ درگذر کرنا اور دوسروں کا خیال رکھنا سیکھو۔

اہنکار اور گھمنڈ کو پورے طور پر چھوڑ دینا بڑا مشکل کام ہے لیکن ایسا کرنے سے آنند ضرور ملتا ہے۔ بُرا نہ ماننے اور رنجیدہ نہ ہونے کی آہستہ آہستہ مشق کرنے۔ اور اپنے خیالات اور اعمال پر نگاہ رکھنے اور اُنہیں سمجھنے و پوتر بنانے سے یہ کام پورا ہو سکتا ہے۔ تم جتنا تکبّر اور خود نمائی پر فتح پاتے جاؤ گے۔ اُتنا ہی درگذر اور معافی کا جذبہ تمہارے دل میں بڑھتا جائیگا

خود بُرا نہ ماننا اور دُوسرے کا دل نہ دُکھانا یہ دونوں باتیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ جب ایک شخص دُوسروں کی باتوں اور کاموں سے رنجیدہ نہیں ہوتا۔ اور بُرا نہیں مانتا تو وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اُن پر دیا کرتا ہے۔ اور اپنی

نسبت دوسروں کا زیادہ خیال رکھتا ہے۔ ایسا شخص جو کچھ کہتا یا کرتا ہے دُوسرے اُس سے رنجیدہ نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کے دل میں پریم اور دیا کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اُسے دوسروں سے نہ ڈر لگتا ہے نہ خوف۔ کیونکہ جو شخص دوسروں کو تکلیف نہیں پہنچاتا اُسے ڈر کس بات کا۔ لیکن معاف نہ کرنے والا شخص کہ جو اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا ہے۔ اور ایک کی بجائے دو سُناتا ہے۔ وہ دوسروں کا خیال نہیں رکھتا۔ کیونکہ اُسے تو اپنی پڑی رہتی ہے۔ اسلئے وہ آہستہ آہستہ اپنے مخالفوں کی تعداد بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اور اُسے ہمیشہ یہی خوف لگا رہتا ہے کہ دوسرے اُسے نقصان پہنچانے کے درپے ہیں کیونکہ وہ خود بھی ایسا ہی کر رہا ہے۔ جو شخص دوسروں کو ضرر پہنچانے کی تاک میں رہتا ہے۔ اُسے اُن سے خوف لگا رہنا بھی لازمی ہے ؎

چو تیر انداختی بر روئے دشمن حذر کُن کاندر آماجش نشستی

مطلب:۔ جب تو نے اپنے دشمن کو تیر کا نشانہ بنایا ہے تو خوفزدہ رہ کہ تُو بھی اُس کی زد میں بیٹھا ہُوا ہے۔

"نفرت کو نفرت سے نہیں جیت سکتے بلکہ نفرت کو محبت سے جیت سکتے ہیں"۔ اِس اصول کی سچّائی کو سمجھانے کے لئے مہاتما بُدھ نے اپنے شاگردوں کو راج کمار دیرگھ آیو کی بہت اچھی کہانی بطور تمثیل کے سنائی ہے۔

کاشی جی کے زبردست طاقت ور راجہ برہم دت نے۔ کوشل کے راجہ دیرگھیتی پر فوج کشی کی۔ تاکہ اُس کے چھوٹے سے راج کو بھی اپنی وسیع سلطنت میں شامل کرے۔ راجہ دیرگھیتی بھلا برہم دت کا مقابلہ کہاں کر سکتا تھا۔ اُس نے اسی میں اپنی خیر سمجھی کہ راج کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔ چنانچہ وہ اپنی رانی کو لے کر بھاگ گیا کچھ عرصہ تو بھیس بدلے اِدھر اُدھر چھپتا پھرا۔ آخر کار اُس نے ایک برھئی کی جھونپڑی میں پناہ لی۔ اور وہاں ہی رہنے لگا۔ یہاں پر اُس کے ایک لڑکا پیدا ہُوا کہ جس کا نام دیرگھ آیو رکھّا گیا۔

اُدھر راجہ برمھ دت نے دل میں سوچا دیرگھیتی کا راج تو میں نے چھین لیا ہے۔ بہتر ہے کہ اُس کے رہنے کا مقام تلاش کر کے اُسے قتل کر دیا جائے ورنہ ممکن ہے کہ بدلا لینے کے خیال سے وہ دھوکہ دے کر مجھے ہی مار ڈالے۔ یہ سوچ کر اُس نے دیرگھیتی کی تلاش شروع کی۔ اس طرح پر بہت عرصہ گذر گیا۔ اس اثنا میں دیرگھیتی نے اپنے لڑکے کو خوب لکھایا پڑھایا۔ کہ جس سے راجکمار دیرگھ آیو بہت ہی سمجھدار۔ عقلمند اور ہر پہلو سے سیانا بن گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد دیرگھیتی کا بھید کھُل گیا۔ تب اُس نے یہ سوچ کر کہ اب تو برمھ دت کو ہمارا پتہ لگ جائیگا۔ اور وہ ہم تینوں کو ہی مار ڈالے گا۔ راج کمار کو کسی اور جگہ بھیج دیا۔ اس کے تھوڑے ہی دن بعد دیرگھیتی برمھ دت کے ہاتھ پڑ گیا۔ اور وہ رانی سمیت قتل کر دیا گیا۔ اب برمھ دت کو یہ فکر پیدا ہُوا کہ دیرگھیتی اور اُس کی رانی کا تو خاتمہ ہو گیا۔ لیکن اُن کا لڑکا ابھی تک زندہ ہے وہ ضرور ایک نہ ایک دن مجھ سے اپنے ماں باپ کا بدلہ لے گا۔ لیکن اُسے کوئی جانتا پہچانتا نہیں۔ اُس کی تلاش کیونکر کی جائے۔ اس طرح پر راجہ برمھ دت کو راج کمار کے خوف سے نہ دن کو چین تھا نہ رات کو آرام۔

اپنے ماں باپ کے مارے جانے کے کچھ دن بعد راج کمار اپنا نام اور بھیس بدل کر راجہ برمھ دت کے اصطبل میں گیا۔ اور فیل خانہ میں نوکر ہو گیا۔ یہاں پر دیرگھ آیو اپنے نیک برتاؤ اور قابلیت کی وجہ سے سب کا پیارا بن گیا اور رفتہ رفتہ اُس کے اوصاف کا چرچا برمھ دت کے کانوں تک بھی پہنچ گیا۔ راجہ نے اُسے اپنے پاس بُلا بھیجا۔ اور وہ اُس کی قابلیت کو دیکھ کر ایسا خوش ہُوا کہ اُسے اپنے محل میں ہی نوکر رکھ لیا۔ دیرگھ آیو نے یہاں پر ایسی تندہی اور قابلیت سے کام کیا کہ راجہ نے کچھ دنوں بعد اُسے اپنے پاس ہی رکھ لیا اور اب وہ پورے طور پر راجہ کا معتمد بن گیا۔

ایک دن راجہ شکار کھیلتے ہوئے بہت دُور نکل گیا اور ایسا اتفاق ہُوا

کہ وہ دیرگھ آیو کے سوائے اپنے اور سب نوکروں چاکروں سے جُدا ہو گیا۔ دوڑ دھوپ کی وجہ سے راجہ ایسا تھک گیا تھا کہ وہ دیرگھ آیو کی ران پر سر رکھ کر سو گیا۔

تب دیرگھ آیو کے دل میں خیال پیدا ہُوا کہ "اس راجہ نے مجھے سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اس نے میرے باپ کا راج چھینا اور میرے ماتا پتا کو بھی مار ڈالا ہے۔ اس وقت یہ بالکل میرے قابو میں ہے"۔ اس خیال کے آتے ہی اُس نے اپنی تلوار میان سے نکال لی تاکہ برہم دت کو قتل کر ڈالے۔ اسی وقت اُسے اپنے باپ کی یہ نصیحت "کسی شخص سے کبھی بدلا نہ لو۔ بلکہ اُسے معاف کر دو"۔ یاد آ گئی اور اُس نے اپنی تلوار میان میں رکھ لی۔ اب راجہ بھی بڑبڑاتا ہُوا نیند سے جاگ اُٹھا۔ راج کمار نے راجہ سے پوچھا "آپ ایسے خوف زدہ کیوں ہو رہے ہیں"۔ راجہ نے جواب دیا "مجھے اچھی طرح نیند نہیں آتی۔ مجھے اکثر اس قسم کے خواب آتے رہتے ہیں کہ میں دیرگھ آیو کے قابو میں ہوں۔ اور وہ مجھے قتل کرنے کے درپے ہے۔ اب بھی مجھے سوتے ہوئے وہی خوفناک اور ڈراؤنا خواب آیا۔ جس کی وجہ سے مجھے اتنا ڈر اور خوف معلوم ہو رہا ہے"۔

یہ سُن کر راجکمار نے تلوار نکال لی اور کہا "میں ہی دیرگھ آیو ہوں۔ اور تم اب میرے قابو میں ہو۔ اب بدلا لینے کا وقت آ پہنچا ہے"۔

تب راجہ اُس کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگا کہ "مجھے نہ مارو اور میری جان بخش دو"۔ دیرگھ آیو نے جواب دیا "مہاراج! آپ میری جان بخشی کریں کیونکہ آپ عرصہ سے میری تلاش میں تھے۔ کہ میں آپ کو کہیں مل جاؤں تو مجھے مار ڈالیں۔ آج میں آپ کو مل گیا ہوں۔ اب میں آپ سے اپنی جان بخشی چاہتا ہوں"۔

اُسی وقت دونوں نے ایک دوسرے کی جان بخشی کی۔ پریم سے گلے

ملے اور ایک دُوسرے کو نقصان نہ پہنچانے کی قسم کھائی۔ راجکمار کی قابلیت تحمل مزاجی اور درگذر کو دیکھکر راجہ ایسا خوش ہؤا کہ اُس نے اپنی راجکماری کی شادی اُس سے کر دی۔ اور اُس کے باپ کا راج بھی اُس کے حوالے کر دیا

اس طرح ہم نفرت کو پریم اور درگذر سے جیت سکتے ہیں۔ بدلا لینے کی بجائے درگذر کرنا زیادہ افضل۔ زیادہ شیریں اور زیادہ مؤثر ہے۔ درگذر سے ہی ایسے پریم کا کہ جو کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ کوئی انعام نہیں چاہتا۔ آغاز ہوتا ہے۔ جو شخص اس کی مشق کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو پریم کے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ تب وہ آہستہ آہستہ اُس آنند تک پہنچ جاتا ہے کہ جہاں پہنچ کر خود پرستی۔ تکبّر۔ غرور اور انتقام کا خیال تک دُور ہو جاتا ہے۔ اور بے حد شانتی مل جاتی ہے۔ ہر وقت دوسروں کی بھلائی کا خیال دل میں رہنے لگتا ہے۔ پھر ایسی شانت حالت میّسر آجانے پر درگذر کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ جو شخص آنند کی اس حالت کو پہنچ جاتا ہے وہ دوسروں کی غلطی یا بُرائی کو دیکھکر رنجیدہ خاطر نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی بُرا مانتا ہے۔ بلکہ اُن کی بے سمجھی اور جہالت پر ترس کھاتا ہے۔ درگذر اور معافی کی تو اُسی وقت تک ضرورت پڑتی ہے کہ جب تک مزاج میں بُرا ماننے یا رنجیدہ ہونے اور بدلا لینے کی خواہش موجود رہتی ہے۔ سب سے یکساں پریم کرنا ہی سب سے اعلیٰ اصول۔ سب سے اعلیٰ زندگی اور سب سے اعلیٰ حالت ہے۔ پریم کے مندر میں داخل ہونے کے لئے درگذر یا معافی بھی ایک دروازہ ہے۔

اب تمہارے سامنے آٹھواں راستہ کھُلتا ہے۔ لیکن اُس راستہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنے دل میں یہ خیال پختہ طور سے جما لو کہ معاف کر دینا بدلا لینے کی نسبت بہتر ہے۔

آٹھواں راستہ

بُرائی نہ دیکھنا

بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سُنے — ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

یہ ٹھوس کائنات بھی پریم سے پگھل جاتی ہے۔ پریم کی آنکھوں میں اگر پٹی بھی باندھ دی جائے تب بھی وہ غلطی نہیں کرتا۔ وہ اپنی چُندھیا دینے والی روشنی اُوپر نیچے چاروں طرف۔ بُرے اور بھلے سب پر یکساں ڈالتا ہے اور اپنے عجیب و غریب طریقوں سے نیکی اور بدی میں میل کرا دیتا ہے۔

(ایمرسن)

اگر تو بدی کا خیال کرتا ہے تو یاد رکھ کہ تیرے کاموں سے بھی بدی کی جھلک آئے گی۔ اور اگر تیرے خیالات نیک ہوں گے تو تیرے کام بھی صداقت اور پاکیزگی کا پہلو لئے ہوئے ہوں گے۔ (جینی مہاتما)

درگزر اور معافی کی مہارت ہو جانے۔ اور اُس کے ایک حد تک پہنچ جانے کے بعد بُرائی اور بھلائی کی حقیقت کھُل جاتی ہے۔ تب انسان کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ خیال اور نیت کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکر بڑھتے یا پرورش پاتے اور پھر اعمال کی شکل میں کیونکر ظاہر ہوتے ہیں۔ جب انسان اس حالت میں پہنچ جاتا ہے تو اُس کے دل میں ایک نئی روشنی آتی ہے کہ جس سے نیک پاک اور اعلےٰ زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ کیونکہ اب وہ سمجھ لیتا ہے کہ دوسروں کے برتاؤ سے نہ تو بُرا ماننا چاہیئے۔ نہ رنجیدہ ہونا چاہیئے۔ نہ غصہ کرنا چاہیئے۔ خواہ دوسروں کے برتاؤ یا کام کیسے ہی ہوں۔ اب تک وہ محض اپنی جہالت اور ناسمجھی کی وجہ سے ایسا کرتا رہا ہے۔ یہ اُس کی سخت غلطی

تھی۔ یہاں پر پہنچ کر وہ اپنے دل سے اس قسم کے سوال کرتا ہے۔ کیوں بار بار بدلا لیا جائے اور کیوں بار بار معاف کیا جائے۔ دوسروں پر اس قدر غصہ ہی کیوں کیا جائے کہ جس کے لئے بعد میں پچھتانا پڑے ؎

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ کیا معافی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں نے اپنے غصہ کو روک لیا ہے۔ اور بدلا لینے کے خیال کو چھوڑ دیا ہے۔ اگر غصہ ہونا اور بدلا لینا اچھا اور ضروری ہے تو پھر اُس کے لئے پشیمانی کیوں؟ اور اُنہیں چھوڑنے کی ضرورت کیا؟ تلخ مزاجی کو چھوڑنا اور معاف کرنا اگر خوبصورت میٹھا اور پسندیدہ فعل ہے۔ تو پھر غصہ کو پاس پھٹکنے ہی نہ دینا رنجیدہ خاطر نہ ہونا۔ بدلا نہ لینا۔ اور بھی زیادہ خوب صورت۔ پسندیدہ اور میٹھا ہوگا۔

اس طرح پر انسان ہمیشہ ہی شانتی اور خوشی کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اور یہ زندگی اُس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب وہ کسی کو معاف کر دیتا ہے۔ اور بدلا لینے کا خیال چھوڑ دیتا ہے۔ اگر کسی نے میرے ساتھ بُرائی کی ہے۔ تو کیا میرا اُن سے نفرت کرنا بُرا نہیں؟ کیا ایک غلطی دوسری غلطی کو درست کر سکتی ہے؟ کیا کسی شخص نے میرے ساتھ برائی کر کے درحقیقت میرا کچھ نقصان کیا ہے یا اُس نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے؟ سچی بات تو یہ ہے کہ میری طرف سے کی گئی بُرائی سے دوسرے کا تو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ ہاں میرا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ تب میں غصہ کیوں کروں۔ بدلا لینے کا خیال ہی دل میں کیوں آنے دوں۔ اور کیوں دوسروں کے خلاف بُرے خیال کو دل میں جگہ دوں۔ کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مجھ میں تکبر ہے خود نمائی ہے۔ خود ستائی ہے۔ خود غرضی ہے ہاں میرے اپنے ہی اندھے حیوانی جذبات بھڑک کر میری اعلیٰ فطرت کو دبا لیتے ہیں۔ اب تو میں نے بخوبی دیکھ لیا ہے کہ تکبر۔ غصہ اور میرے

اپنے ہی نیچ جذبات کی وجہ سے میں دوسروں کے برتاؤ سے بھڑک اُٹھتا ہوُں۔ تب کیا یہ بہتر نہیں کہ میں اپنے ہی اندر نگاہ ڈال کر دیکھوں کہ غلطی کہاں پر ہے۔ بجائے اس کے دوسروں کی غلطی دیکھتا پھروں۔ جب مجھے پتہ مل گیا کہ تکبر، غصہ اور حیوانی جذبات ہی مجھے بھڑکا دیتے ہیں۔ اور اُن کو مغلوب کر لینے سے مجھے دُوسروں کا برتاؤ رنجیدہ ہی نہ کر سکے گا۔ اور مَیں ہمیشہ ہی شانت رہ سکوں گا۔

اپنے دِل میں اس طرح پر سوال اُٹھانے اور اُن کا فیصلہ کرنے سے انسان کے خیالات نرم اور حلیم غصہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ اُسکے حیوانی جذبات کم اور بے سمجھی و جہالت دُور ہو جاتے ہیں۔ کہ جن کی وجہ سے اُس کے دل میں غم اور غصہ پیدا ہو جایا کرتا تھا۔ آخرکار وہ اُس آنند کی حالت کو حاصل کر لیتا ہے کہ جہاں وہ دوسروں میں کوئی بُرائی نہیں دیکھتا۔ اور سب کے لئے ہی بھلائی کی خواہش رکھتا ہے۔ پھر وہ پریم اور شانتی میں رہنا سیکھ لیتا ہے۔ مگر یہ بات نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسا شخص بُرائی۔ جہالت یا بیوقوفی کو دیکھنا چھوڑ دیتا ہے۔ یا دُکھ۔ تکلیف اور مصیبت کو دیکھ نہیں سکتا۔ یا نیکی اور بدی۔ سچ اور جھوٹ۔ پاکیزگی اور ناپاکی میں تمیز کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ غصہ اور تعصب کو چھوڑ دینے کی وجہ سے گیان کی صاف روشنی میں اُن کی اصلی حقیقت کو جان لیتا ہے۔ اور دوسروں میں اُسے ایسی کوئی بُرائی کی طاقت نظر نہیں آتی کہ جو اُسے نقصان پہنچا سکے۔ جس کا اُسے مقابلہ کرنا پڑے۔ جس کو کچلنے کے لئے اُسے کوشش کرنی پڑے۔ یا جس سے اُسے اپنی حفاظت کرنی پڑے۔ اب تو وہ بُرائی کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ اُس سے نفرت کی جائے۔ بدلا لیا جائے یا اُس سے خوف کھایا جائے بلکہ بخلاف اس کے وہ تو رحم اور ہمدردی کے قابل ہے۔

شیکسپیئر کہتا ہے کہ "جہالت سے بڑھ کر کوئی تاریکی نہیں"۔ تمام بُرائی جہالت ہے۔ اسلئے بُرائی دِل کی گہری تاریکی ہے۔ بُرائی کو دُور کرنے سے دل میں رُوحانی روشنی آتی ہے۔ بُرائی بھلائی کا اُلٹ ہے۔ اور روشنی نہ ہونے کا نام اندھیرا ہے۔ روشنی مثبت اور تاریکی منفی ہے۔ روشنی کی ہستی ہے اور تاریکی کی کوئی ہستی نہیں۔ تب نفی میں کیا دھرا ہے کہ جس سے انسان بدلا لے۔ یا جس پر غصہ کرے۔ جب دُنیا پر رات کی تاریکی چھا جاتی ہے۔ تو ایسا کون بے وقوف ہے جو اُس تاریکی کو گالیاں دے۔ اسی طرح سمجھدار انسان دوسروں کے دل کی تاریکی کو کہ جو بُرائی اور گناہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ بُرا نہیں کہتا بلکہ حلیمی کے ساتھ اُنہیں یہ تبلا دیتا ہے کہ روشنی کہاں پر ہے۔

وُہ جہالت کہ جس کو بُرائی کے نام سے پکارا جاتا ہے یا جس سے بُرائی پیدا ہوتی ہے۔ دو قسم کی ہے۔ ایک بُرائی وُہ ہے کہ جو بھلے بُرے کو پہچانے بغیر کی جاتی ہے۔ اور جس میں کرنے والے کا اپنا کوئی اختیار نہیں۔ یہ بُرائی نادانستہ طور پر ہو جاتی ہے۔ دُوسری وُہ ہے کہ جس کو کرنے والا جانتا ہے کہ یہ بُرائی ہے۔ اور اس کا کرنا مناسب نہیں۔ وُہ اُسے دانستہ طور پر کرتا ہے۔ لیکن بُرائی خواہ دانستہ کی جائے یا نادانستہ دونوں کے کئے جانے کا سبب جہالت ہے۔ یعنی وُہ بُرائی کی اصلی حقیقت سے ناواقف ہے۔ اور اس بُرائی سے پیدا ہونے والے تکلیف دہ نتیجوں سے بھی ناواقف ہے۔

اِنسان سمجھتا ہے کہ اُسے فلاں کام نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر پھر بھی اُسے کرتا ہے۔ اِس کی کیا وجہ ہے۔ اگر وُہ یہ جانتا ہے کہ اس کام کا کرنا غلطی ہے تو پھر اُس کی بے سمجھی کہاں رہ گئی۔

مگر انسان جانتے ہوئے بھی بُرائی کرتا رہتا ہے۔ اسکا سبب یہ ہے۔

کہ اُسے گیان تو ہوتا ہے۔ لیکن نامکمّل۔ یعنی کچھ تو دُوسروں سے سُنا ہوا اور کچھ اپنی ضمیر کی تنبیہہ سے کہ مُجھے فلاں کام نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن وہ جو کچھ کر رہا ہے اُسے پورے طور پر نہیں جانتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ وہ تو صرف یہ جانتا ہے کہ ایسا کرنے سے اُسے فوراً ہی کوئی خوشی ملتی ہے۔ اس لئے باوجود اپنی ضمیر کی ملامت کے اس خوشی کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے۔ اُسے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ وہ خوشی اچھی اور قابلِ حصول ہے۔ اس لئے اُس کو حاصل کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ خوشی اور تکلیف ایک ہی چیز ہیں۔ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ صرف غلطی سے یہ سمجھتا ہے کہ ایک کو دوسری کے بغیر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جس اٹل قانون کے زیر اثر انسانی افعال ہوتے ہیں وہ اس سے ناواقف ہوتا ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں سوچتا کہ اُس کی تکلیف اُس کی اپنی ہی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ بلکہ یوں خیال کرتا ہے کہ دوسرے لوگ اُسکی تکلیف کا سبّب ہیں۔ یا میری قسمت میں ہی ایسا لکھا تھا۔ اس لئے پڑتال کرنے یا سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ صرف خوشی کی تلاش کرتا ہے اور اُن کاموں کو کرتا ہے کہ جن سے اُسے خوشی ملے۔ لیکن اِن کاموں کے کیا کیا بُرے نتیجے بھوگنے پڑیں گے۔ اس سے بالکل ناواقف ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے جو ایک بُری عادت کا شکار تھا مجھ سے کہا "میں جانتا ہوں کہ یہ عادت بُری ہے۔ اور اس سے مجھے فائدہ کی نسبت نقصان زیادہ پہنچتا ہے"۔ میں نے کہا "جب تمہیں معلوم ہے کہ جو کام تم کر رہے ہو۔ وہ خراب اور نقصان رساں ہے تو پھر تم اُسے کیوں کرتے ہو"۔ تو اُس نے جواب دیا۔ "اُس کے کرنے سے مجھے لطف آتا ہے۔ اس لئے میں اسے پسند کرتا ہوں"۔

وہ شخص دراصل یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی عادت خراب ہے۔ اسنے صرف سُنا ہُوا تھا کہ یہ عادت خراب ہے۔ اُسنے صرف خیال کر لیا تھا کہ یہ عادت خراب ہے۔ لیکن درحقیقت وہ یقین کرتا تھا کہ یہ عادت اچھی ہے۔ اور اس

سے اُسے خوشی ملتی ہے۔ اِس لئے وہ اُسے نہیں چھوڑتا۔ ورنہ جب انسان اپنے تجربہ سے یہ معلوم کرلے کہ یہ کام خراب ہے۔ اور جب کبھی مَیں اُسے کرتا ہوں تو میرے جسم یا دل یا دونوں کو ہی نقصان پہنچتا ہے۔ جب وہ اس کام کے ہر ایک پہلو کو پوری طرح سمجھ جاتا ہے۔ اور اس سے پیدا ہونے والے ہر قسم کے نقصان کو جان لیتا ہے تو پھر وہ اُسے ہرگز نہیں کرتا۔ بلکہ اُس کے کرنے کی اُسے خواہش بھی نہیں ہوتی۔ اُس کے کرنے میں پہلے جو لُطف معلوم ہوتا تھا۔ اب وہ تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے۔ کوئی شخص سانپ کی خوش رنگی پر ریجھ کر اُسے اپنی جیب میں نہیں رکھ سکتا۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ سانپ کی خوب صورتی کے نیچے زہر قاتل موجود ہے۔ اسی طرح پر جب انسان کو یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ بُرے کاموں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے تو پھر وہ اُنہیں ہرگز نہیں کرتا۔ پہلے بُرے کاموں کے کرنے سے اُسے جو سواد ملا کرتا تھا۔ اب وہ نہیں ملتا۔ اُن کی ظاہری دلکش ترغیب جاتی رہتی ہے اب وہ اُن کی اصلی حقیقت سے ناواقف نہیں رہتا۔ اور اُنہیں اُن کے اصلی رُوپ میں دیکھ لیتا ہے۔

ایک کاروباری نوجوان سے میری واقفیت تھی۔ وہ ایک مذہبی سوسائٹی کا ممبر تھا۔ اور پرچار بھی کیا کرتا تھا۔ اُس نے مجھ سے ذکر کیا کہ "کاروبار اور بیوپار میں جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا ضروری ہے۔ ان کے بغیر بیوپار چل نہیں سکتا۔ مَیں یہ بخوبی جانتا ہوں کہ جھوٹ بولنا بُرا ہے۔ لیکن جب تک بیوپار کرنا ہے۔ مجھے جھوٹ بولنا ہی پڑے گا"۔ جب میں نے اُس سے دریافت کیا کہ تم نے کبھی سچّائی اور ایمانداری سے کہ جو بیوپار کا درست راستہ ہے۔ کام لیا ہے؟ تو اُس نے صاف لفظوں میں جواب دیا کہ "جھوٹ بولنے اور دھوکا کرنے کے سوائے بیوپار کی کوئی دوسری اچھی ترکیب ہے ہی نہیں"۔ گویا اُس نے سچّائی اور ایمانداری کو کبھی آزمایا ہی نہیں تھا۔ اب بتلائیے کہ کیا اس نوجوان کو معلوم تھا کہ جھوٹ بولنا بُرا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اُس نے صرف نصیحت کے طور پر سُنا ہوا تھا جھوٹ

بولنا گناہ ہے۔ لیکن درحقیقت وہ اُس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔ بلکہ اُسے تو یہ یقین ہے کہ جھوٹ بولنے سے نفع ہوتا ہے۔ ترقی ہوتی ہے۔ اَور سُکھ ملتا ہے۔ اَور دیانتداری سے نقصان ہوتا ہے۔ غریبی آتی ہے۔ اَور دُکھ ملتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اپنے دل کی گہرائی میں سچ کو نقصان دہ اَور جھوٹھ کو فائدہ بخش سمجھ رہا ہے۔ وہ جھُوٹ بولنے کی اس حقیقت سے محض ناواقف ہے۔ کہ جھُوٹ کے زبان سے نکلتے ہی چال چلن میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ خودداری جاتی رہتی ہے۔ نیک نامی کو بٹہ لگ جاتا ہے۔ اثر و رسُوخ کم ہو جاتے ہیں۔ اَور آخرکار اُس کے سُکھ اَور آرام بھی جاتے رہتے ہیں۔ جھُوٹ بولنے سے لازمی طور پر انسان کا اعتبار گھٹ جاتا ہے۔ جب اعتبار کم ہؤا تو پھر بیوپار میں نفع کہاں نفع نہ رہنے سے مالی نقصان اُٹھانا لازمی ہے۔

ایماندار شخص جب دوسروں کے سُکھ کا خیال رکھتا ہے تو اپنے نفع کی پرواہ نہ کرکے اَور بارہا نقصان برداشت کرکے بھی ایمانداری پر قائم رہتا ہے تب ہی اُس پر یہ سچائی ظاہر ہو سکتی ہے کہ اعلےٰ چال چلن ہی آنند کا دینے والا ہے۔ اُسے یہ بھی پتہ لگ جاتا ہے کہ اب تک وہ دوسروں کو دھوکہ دینے کی بجائے اپنے آپ کو ہی دھوکا دے رہا تھا۔ اَور سخت تاریکی اَور جہالت میں پڑا ہؤا تھا۔

مذکورہ بالا دونوں مثالیں۔ جو عام طور پر اَور ہر جگہ ملتی ہیں۔ سچائی کے متلاشیوں پر یہ صداقت اچھی طرح ظاہر کر دیں گی۔ کہ تمام بُرائیوں اَور گناہوں کی جڑ جہالت ہے۔ اس لئے بُرائی کرنے والوں کے ساتھ نفرت کا نہیں بلکہ پریم کا برتاؤ کرنا چاہئے۔

جو حالت جھوٹ بولنے کی ہے۔ وہی حالت سب بُری عادتوں اَور گناہوں کی ہے۔ یعنی کام۔ کرودھ۔ لوبھ۔ موہ۔ اہنکار۔ نفرت۔ حسد۔ بغض۔ غصّہ۔ انتقام خودغرضی وغیرہ۔ ان سب کا سبب جہالت ہی ہے۔ یعنی دل میں سچائی کی روشنی

کانہ ہونا اور روحانی تاریکی کا پردہ پڑا رہنا۔

جب انسان اپنے دل کی تاریکی کو دُور کر دیتا ہے۔ بُرائی کی اصلیت کو سمجھ جاتا اور محض عقیدہ کی بجائے زندہ تجربہ حاصل کر لیتا ہے۔ تب وہ بُرائی کرنیوالے کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور نہ ہی اُس کی مخالفت کرتا ہے۔ بلکہ اُسے رحم کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اَب ہم بُرائی کے ایک اور پہلو پر غور کرتے ہیں۔ ہر ایک انسان آزاد ہے اور وہ اپنے کاموں میں خود مختار ہونے کا پیدائشی حق رکھتا ہے۔ اور کوئی اِس حق کو چھین نہیں سکتا۔ دوسروں کا نُقص دیکھنے کے ساتھ ساتھ انسان کی یہ زبردست خواہش بھی ہوتی ہے کہ دُوسرے کی بُرائی۔ غلطی ....

....

اور نقص کو کسی نہ کسی طرح دُور کیا جائے۔ خواہ زبردستی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ انسان کا یہ خاصہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنا ہم خیال بنا لینا چاہتا ہے۔ قریباً ہر ایک انسان اس غلطی میں پڑا ہوا ہے کہ جو کچھ وہ خیال کرتا ہے۔ جو کچھ وہ عقیدہ رکھتا ہے۔ جس طرح پر وہ کام کرتا ہے۔ وہی درست اور مناسب ہے۔ باقی ساری دُنیا غلطی پر ہے۔ اس لئے وہ دوسروں سے کہ جو اُس کے خلاف خیالات رکھتے اور عمل کرتے ہیں۔ نفرت کرتا ہے۔ اُنہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتا اور اُن پر حملے کرتا ہے۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے مختلف مذاہب کے باہمی جھگڑے ہوا کرتے ہیں۔ عیسائی تمام دہریوں (ناستکوں) کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اُن کے خیال میں یہ لوگ شیطان کے پیرو ہیں۔ اور برعکس اس کے دہرئے یہ خیال کرتے ہیں کہ عیسائی اپنے توہمات اور غلط عقیدوں کی وجہ سے تمام نوعِ انسان کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ نہ عیسائی بُرے ہیں اور نہ دہرئے۔ نہ ہندو بُرے ہیں نہ مسلمان۔ بلکہ ہر ایک اپنے اپنے طریق پر کہ جس کو وہ درست سمجھتا ہے چل رہا ہے۔

ذرا ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر سوچو تو سہی کہ ساری دُنیا کے مختلف مذاہب والے پہلے بھی ایک دُوسرے کے خلاف جنگ وجدل کرتے رہتے تھے۔ اور اَب بھی ایک مذہب والا دوسرے مذہب والے کو بُرا اور غلطی پر سمجھتا ہے۔ اور اپنے آپ کو نیک اور اچھا سمجھ رہا ہے۔ اس پر غور کرنے سے تم سمجھ جاوٴ گے کہ تمام بُرائی جہالت اور رُوحانی تاریکی سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسا سوچنے سے انسان کے دل میں رحمدلی - فیاضی - فراخدلی اور دانائی کی ترقی ہو سکتی ہے۔

اصلی نیک اور دانا شخص کسی کو بُرا نہیں سمجھتا - بلکہ سب کو اچھا خیال کرتا ہے۔ اُس نے اس جاہلانہ خیال کو چھوڑ دیا ہے کہ دوسرے بھی میری ہی طرح سوچیں اور کام کریں۔ وہ دیکھتا ہے کہ لوگوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں - ہر ایک انسان رُوحانی ترقی کے درجوں میں جُدا جُدا ہے۔ اسی ترقی کے مطابق وہ کام کر رہا ہے وہ حسد - نفرت - بغض - خود بینی - خود غرضی اور تعصّب کو چھوڑ کر سمجھدار بن گیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ پاکیزگی - محبت - رحم - نرمی - صبر - عجز - انکساری اور بے غرضی وغیرہ روشنی اور گیان کی علامتیں ہیں - اور اس کے برعکس - ناپاکی - نفرت - بیرحمی خود غرضی - غصّہ - تکبّر وغیرہ تاریکی اور جہالت کے کرشمے ہیں - انسان خواہ تاریکی میں رہیں یا روشنی میں وہ سب ایک ہیں - ہر ایک آدمی وہی کام کر رہا ہے جو وہ ضروری سمجھتا ہے - اور اُسے وہ اپنی سمجھ کے مطابق کر رہا ہے - عقلمند اس بات کو سمجھتا ہے - اس لئے وہ دوسروں کو بُرا بھلا نہیں کہتا اور نہ ہی اُنہیں قصوروار ٹھہراتا ہے۔

ہر شخص اپنی فطرت کے مطابق اور اپنے اچھے یا بُرے گیان کے موافق کام کرتا ہے - اور یقینی طور پر اپنے تجربے کے پھل اکٹھے کر رہا ہے - ہر شخص کو اپنی مرضی کے مطابق سوچنے اور کام کرنے کا سب سے بڑا استحقاق حاصل ہے اگر وہ خود غرضی کے بس میں پڑ کر اپنے موجودہ سُکھ اور آرام کے لئے ہی سوچتا اور عمل کرتا ہے - اور دوسروں کے سُکھ کا ذرا بھی خیال نہیں رکھتا - تو علّت اور معلول

کے اٹل قانون کے مطابق وہ اپنے اوپر ایسی مصیبت لے آئے گا کہ جس کے آتے ہی اُسے خصوصیت کے ساتھ بچار کرنا پڑے گا۔ تب اُس کو ایک بہتر راستہ مل جائے گا۔ تجربہ سے بڑھ کر کوئی بھی اُستاد نہیں۔ بے سمجھی کی وجہ سے جو تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ اُس سے بڑھ کر سبق دینے والی اور پاکیزگی سکھلانے والی کوئی سزا نہیں۔ خود غرض آدمی جاہل ہوتا ہے۔ وہ اپنا راستہ آپ منتخب کرتا ہے۔ لیکن وہ ایک ایسا راستہ ہے جو دُکھ اور عذاب کی طرف لے جاتا ہے اسی دُکھ اور عذاب میں سے گذر کر وہ دانائی اور سُکھ حاصل کرتا ہے نیک انسان دانا ہے۔ وہ بھی اپنا راستہ خود تجویز کرتا ہے۔ لیکن وہ اس راستہ کو دانائی کی روشنی میں منتخب کرتا ہے۔ اور جہالت و عذاب کی منزل کو طے کر کے ہی یہاں تک پہنچتا ہے۔

انسان دوسروں میں نقص نہ دیکھنے کے راز کو اس وقت سمجھتا ہے۔ جب وہ اُن کے متعلق اس طریق پر خیال کرتا ہے۔ جس میں اُس کی اپنی خودی کی خواہش بالکل نہیں ہوتی۔ وہ اُن کو اُن کے ہی معیار سے جانچتا ہے۔ اُن کے کاموں کو اپنے نقطہ نگاہ سے نہیں۔ بلکہ اُن کے ہی نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لوگ بُرائی اور بھلائی کے متعلق اپنا اپنا نقطہ نگاہ بنا لیتے ہیں۔ اور پھر چاہتے ہیں کہ سب لوگ ہمارے ہی طریق کے مطابق چلیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ایک دوسرے میں نقص دیکھتے ہیں۔ ہر ایک انسان کی ٹھیک جانچ پڑتال تب ہی ہو سکتی ہے کہ جب ہم اُسے نہ تو اپنے اور نہ تمہارے۔ بلکہ خود اُسی کے پیمانے سے ناپیں۔ اس طرح کا برتاؤ کرنا۔ اُس کا امتحان کرنا نہیں بلکہ اُس کے ساتھ پریم کرنا ہے۔

جب ہم خودی کو چھوڑ کر پریم کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں تب ہمیں دوسروں میں کوئی بُرائی نظر نہیں آتی۔ اُنہیں ویسا ہی دیکھتے ہیں۔ جیسے کہ وہ ہیں۔ انسان پریم کی حد پر اُس وقت پہنچتا ہے۔ جب وہ اپنے دل میں اس طرح

پر سوچتا ہے۔"میں کون ہوں جو دوسروں کے متعلق فتوے دوں۔ کیا میں خود گناہ سے ایسا پاک ہوں کہ دوسروں پر بُرا ہونے کا فتوے لگاؤں۔ اے میرے دل! پہلے اپنے آپ کو عاجز اور منکسر مزاج بنا۔ پیشتر اس کے کہ دوسروں کی حالت کا فیصلہ کرے"۔ دوسروں کے نقص اور بُرائیاں دیکھنے سے پہلے خود اپنے نقص اور بُرائیاں دُور کرو۔ دوہا کبیر:-

بُرا جو دیکھن میں چلا بُرا نہ دیکھا کو جو من کھوجا آپنا مجھ سا بُرا نہ کو

ایک عورت گناہ کرتی ہوئی پکڑی گئی۔ لوگ اُسے سنگسار کرنے کے لئے تیار تھے۔ مسیح نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا وہ شخص اس پر پہلا پتھر مارے جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو۔ اگرچہ وہ خود گناہ سے پاک تھا۔ لیکن اُس نے پتھر نہیں اُٹھایا اور نہ ہی کوئی سخت فتوے دیا۔ بلکہ عورت کو نہایت نرمی اور رحم سے بھر کر کہا "میں تجھ پر الزام نہیں لگاتا۔ جا چلی جا! اور پھر گناہ نہ کرنا"۔ پوتر دل میں ایسی کوئی جگہ نہیں رہتی۔ جس میں خود غرضی سما سکے اور نفرت سے بھرے ہوئے خیالات ٹھہر سکیں۔ کیونکہ ایسا دل تو نرمی اور پریم سے لبریز ہوتا ہے۔ اُس کو کوئی بُرائی ہی نظر نہیں آتی۔ جُوں جُوں انسان دوسروں میں برائی دیکھنی چھوڑتا جاتا ہے تُوں تُوں وہ خود گناہ۔ دُکھ اور عذاب سے نجات پاتا جاتا ہے۔

کوئی انسان اپنے آپ میں یا اپنے کاموں میں بُرائی نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک کہ اُس کی گیان کی آنکھیں نہ کھُل جائیں۔ گیان کی روشنی حاصل کر لینے پر وہ اُن کاموں کو چھوڑ دیتا ہے۔ جن کو وہ غلط سمجھتا ہے۔ ہر ایک شخص اپنے کام کو ٹھیک ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسرے لوگ اس کے کام کو خواہ کتنا ہی بُرا بتلائیں مگر وہ اپنے فعل کو اچھا اور ضروری سمجھتا ہے۔ ورنہ اگر وہ ایسا خیال نہ کرتا تو کبھی بھی اُسے نہ کرتا۔ غصہ کرنے والا اپنے غصہ کو ہمیشہ مناسب خیال کرتا ہے۔ لالچی شخص اپنے لالچ کو۔ بد مزاج آدمی اپنی بد مزاجی کو۔ جھوٹا شخص یہ سمجھ لیتا ہے کہ اُس کا جھوٹ بولنا ضروری تھا۔ دوسروں پر الزام لگانے والا اُن لوگوں کے چال چلن کو خراب

بتلاتا ہے۔ جن سے وہ نفرت کرتا ہے۔ اور اُن کے بُرے چال چلن سے لوگوں کو
آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ چور چوری کو جلدی سے مالدار اور خوش حال بن
جانے کا ذریعہ خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ قاتل بھی اپنے فعل کو درست اور مناسب
سمجھتا ہے۔

ہر شخص کے کام اُس کی سمجھ کے مطابق ہوتے ہیں۔ کوئی شخص بھی اپنے
معراج سے اُونچا نہیں جا سکتا۔ اور نہ ہی کوئی شخص اپنی سمجھ سے بڑھ کر کام
کر سکتا ہے۔ لیکن ہر شخص ترقی کر سکتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اپنے گیان کی
روشنی کو بڑھا سکتا ہے۔ غصیلا شخص غصہ سے بھر کر گالیاں دیتا اور آپے
سے باہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا گیان ابھی تک درگذر اور صبر کی حد تک
نہیں پہنچا۔

چونکہ اُس نے متحمل مزاجی کا سادھن نہیں کیا اس لئے وہ نہ تو اُس
کو سمجھ سکتا ہے نہ ہی قبول کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ قوت برداشت کی روشنی
کے ذریعہ غصہ کی تاریکی کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ یہی حالت جھوٹ بولنے والے
تہمت لگانے والے اور چور کی ہے۔ وہ اپنے دل کی تاریکی میں ہی پڑا رہتا
ہے۔ کیونکہ اُس کی سمجھ کچی اور اُس کا تجربہ نامکمل ہے۔ چونکہ اُس نے دل کی
اعلیٰ حالت کو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ اس لئے اُسے اُس کا کچھ بھی علم نہیں
ہو سکتا۔ اُس کے لئے تو دل کی بہتر حالت ایک گونہ خیالی بات ہے۔
"روشنی اندھیرے میں چمکتی ہے۔ مگر اندھیرا اُسے نہیں جانتا"۔ نہ ہی وہ
اپنی بُری حالت کو جس میں وہ مُبتلا ہے سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ تاریکی میں
رہنے کی وجہ سے وہ گیان سے خالی ہے۔

جب انسان اپنی غلطیوں کی وجہ سے بار بار تکلیف اُٹھاتا ہے تب
آخرکار وہ اپنے طریقِ زندگی پر نگاہ ڈالتا ہے۔ تب اُسے یہ معلوم ہو جاتا
ہے۔ کہ اُس کا دُکھ اور مصیبت خود اُس کے غصہ۔ جھوٹ اور دوسری

جاہلانہ حرکتوں کے نتائج ہیں۔ تب وہ ایسی برائیوں کو چھوڑ دیتا ہے اور اُن کے برعکس خوبیوں کو تلاش کرنا اور اُن پر عمل کرنا شروع کرتا ہے۔ جب اُسے بہتر راستہ مِل جاتا ہے تو وہ بھلے اور بُرے دونوں راستوں سے واقف ہونے کی وجہ سے یہ اچھی طرح سمجھ جاتا ہے کہ اُس کا پہلا راستہ کس قدر خراب اور دوسرا کتنا اچھا ہے۔ تجربہ کے ذریعہ بُرائی اور بھلائی کی جانچ کر لینا ہی گیان کا پرکاش ہے۔

جب انسان دوسروں کو اپنی نگاہ سے نہیں بلکہ خود اُن کی نگاہ سے دیکھنا شروع کرتا ہے۔ اور اپنے گز سے نہیں بلکہ اُن کے ہی گز سے ناپتا ہے۔ تب وہ اُن میں کوئی برائی یا نقص نہیں دیکھتا۔ کیونکہ وہ خوب سمجھ گیا ہے کہ ہر شخص کا بھلائی اور بُرائی کو ناپنے کا گز اور نقطہ نگاہ جُدا جُدا ہیں۔ دُنیا میں کوئی ایسا خراب سے خراب عیب نہیں جسے کچھ لوگ اچھا نہ سمجھتے ہوں۔ چوروں کا گروہ چوری کو کبھی بھی بُرا نہیں بتلاتا۔ اسی طرح کوئی اچھی سے اچھی نیکی نہیں۔ جس کو کچھ آدمی بُرا نہ خیال کرتے ہوں۔ انسان جس بات کو اچھا سمجھتا ہے وہ اُس کے لئے اچھی ہے۔ اور جس کو بُری سمجھتا ہو وہ بُری ہے۔ فرق صرف سمجھ کا ہے۔ جینی لوگ جیو ہنسیا کو مہا پاپ سمجھتے ہیں۔ قصائی حیوانوں کو ذبح کرنا اپنی روزی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اور اُس میں کوئی بُرائی نہیں دیکھتا۔

پاک دل انسان دوسروں میں بُرائی دیکھنا چھوڑ دیتا ہے۔ اُسے اِس بات کی خواہش ہی نہیں رہتی کہ دوسرے لوگ اُس کی رائے پر چلیں۔ یا اُس کے اصول کے مطابق کام کریں۔ بلکہ وہ کوشش کرتا ہے کہ لوگ اپنی اپنی رائے اور اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق زندگی بسر کریں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ رائے کے بدلنے سے نہیں بلکہ تجربہ کی ترقی سے ہی اچھا گیان اور آنند حاصل ہو سکتے ہیں۔

عموماً ایسا دیکھا جاتا ہے کہ انسان اپنے سے اختلاف رائے رکھنے والوں کو بُرا اور اپنے ہم خیال لوگوں کو اچھا سمجھتا ہے۔ جو شخص اپنا ہی خیال رکھتا اور اپنی ہی رائے کو مستند سمجھتا ہے۔ وہ صرف اُن لوگوں کو ہی محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جو اُس کے ہمرائے ہوتے ہیں۔ مگر جو اُس کے ہمخیال نہیں ہوتے۔ اُن سے نفرت کرتا ہے۔ مسیح نے کہا ہے "جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اگر تو اُن سے محبت کرے تو تو نے کمال کیا کیا؟...... اپنے دشمنوں سے پیار کر اور اُن سے بھلائی کر کہ جو تجھ سے نفرت کرتے ہیں"۔

تکبّر اور خود بینی انسان کو اندھا بنا دیتے ہیں۔ مختلف مذاہب والے ایک دوسرے کو نفرت کرتے اور اذیّت پہنچاتے ہیں۔ پولیٹیکل معاملات میں اختلاف رکھنے والے ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے اور بُرا بھلا کہتے ہیں۔ متعصّب شخص دوسروں کو اپنے ہی پیمانے سے ناپتا اور اپنی ہی رائے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ خود تو اتنا ہٹھی ہے کہ اپنے آپ کو ٹھیک راستہ پر اور دوسروں کو غلطی پر سمجھتا ہے۔ اُن کی آزاد مرضی اور سمجھ کے خلاف اپنی رائے کے مطابق رائے رکھنے اور اپنے خیال کے مطابق کام کرانے کے لئے اُن پر ظلم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بے رحمی سے کام لے کر اُنہیں اُس راستہ پر کہ جس کو وہ خود ٹھیک سمجھتا ہے لانے کو اچھا اور ضروری سمجھتا ہے۔

لوگ ایک دوسرے سے نفرت کرتے۔ ایک دوسرے کو بُرا بتلاتے ایک دوسرے کی مخالفت کرتے اور ایک دوسرے کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ درحقیقت بُرے ہوتے ہیں۔ یا جان بوجھ کر شرارت کرتے ہیں۔ بلکہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایسا کرنا ضروری اور درُست ہے۔ تاکہ اُنہیں ٹھیک راستہ پر لایا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ سب ہی لوگ اچھے ہیں۔ صرف اِتنا فرق ہے کہ کوئی زیادہ عقلمند ہوتا ہے۔ اور زیادہ تجربہ رکھتا ہے کوئی کم۔ کچھ عرصہ ہُوا دو شخصوں میں جن کا نام

یہاں پر الف اور ب درج کیا جاتا ہے۔ ج نام کے مشہور سیاست دان کے متعلق یوں بات چیت ہوئی تھی۔

الف۔ ہر ایک شخص اپنے خیالات اور اعمال کا پھل پاتا ہے اور اپنی غلطی کی وجہ سے دُکھ اُٹھاتا ہے۔

ب۔ اگر انسان اپنے بُرے اعمال کی سزا پائے بغیر نہیں بچ سکتا۔ تو ہمارے کئی ایک بڑے اور با اختیار عہدیدار اپنے لئے کتنا خوفناک جہنم تیار کر رہے ہیں۔

الف۔ خواہ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا۔ جب تک وہ گناہ اور تاریکی کی غار میں پڑا رہتا ہے۔ تب تک وہ دُکھ اور عذاب پاتا ہی رہتا ہے۔

ب۔ دیکھئے! بطور مثال کے ج کو ہی لے لیجئے جو ہر پہلو میں بُرا آدمی ہے۔ جس میں خود غرضی اور لالچ کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہُوا ہے۔ یقیناً ایسے بے اصول شخص کے لئے تکلیف سے پُر سزا ضرور تیار ہو رہی ہو گی۔

الف۔ لیکن آپ یہ کیونکر جانتے ہیں کہ وہ ایسا بُرا آدمی ہے۔

ب۔ اُس کے اعمال اور نتائج سے۔ یعنی جب میں کسی شخص کو برائی کرتے دیکھتا ہُوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ وہ بُرا ہے۔ چنانچہ جب میں ج کو دیکھتا ہوں۔ تو یاک غصہ سے بھر جاتا ہوں۔ اور بعض اوقات تو مجھے یہ بھی شک پڑ جاتا ہے کہ سچائی کی فتح نہیں ہوتی۔ خاصکر جب میں ج جیسے شخص کو ایسے عہدہ پر دیکھتا ہوں جس پر رہ کر وہ دوسروں کو اس قدر نقصان پہنچا سکتا ہے۔

الف۔ بتلائیے تو سہی کہ ج کیا برائی کر رہا ہے؟

ب۔ اُس کی ساری پالیسی ہی بُری ہے۔ اگر اُس کا اختیار قائم رہا تو وہ مُلک کو برباد کر دے گا۔

الف۔ ایک طرف تو آپ کی طرح بہت سے لوگ ہیں جو اُسے بُرا خیال کرتے

ہیں۔ لیکن دوسری طرف بھی بہت سے سمجھدار لوگ ہیں جو اُسے نیک اور بہت لائق سمجھتے ہیں۔ اُس کی خوبیوں کی وجہ سے اُسکی تعریف کرتے ہیں اور اس کی پالیسی کو اچھا اور ملک کی ترقی کے لئے بہتر اور مفید سمجھتے ہیں۔ اِنہیں لوگوں کی مدد کے سہارے اُس کا اقتدار قائم ہے۔ کیا یہ لوگ بھی بُرے ہیں؟

ب - نہیں یہ لوگ خود تو بُرے نہیں ہیں مگر وہ ج کی مکّاری کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے میں اُس کو اور بھی زیادہ بُرا سمجھتا ہوں کیونکہ وہ اپنی خود غرضی کو پورا کرنے کے لئے بڑی کامیابی کے ساتھ اپنی قابلیّت کو دوسروں کو دھوکہ دینے میں استعمال کر رہا ہے۔ اس لئے میں ایسے شخص کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

الف - کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ تمہارا ہی خیال غلط ہو؟ اور تُم خود ہی دھوکے میں پڑے ہوئے ہو؟

ب - وہ کس طرح پر؟

الف - نفرت کرنا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ پریم کرنا اپنے آپ کو روشنی میں لانا ہے۔ کوئی شخص بھی اپنے آپ کو یا دوسروں کو ٹھیک طور پر پہچان نہیں سکتا۔ جب تک وہ نفرت کو چھوڑ کر پریم کا سادھن (مشق) نہیں کرتا۔

ب - یہ بات سُننے میں تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہے یہ ناقابلِ عمل جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص دوسروں کے ساتھ بُرائی کر رہا ہے اُن کو دھوکہ دے کر غلط راستہ پر لے جا رہا ہے تو میں لازمی طور پر اُس سے نفرت کرتا ہوں۔ اور میرا ایسا کرنا بالکل درست اور واجب ہے ج میں تو ضمیر کا نام ونشان بھی نہیں۔

الف - تم ج کو جیسا خیال کرتے ہو وہ ایسا ہے بھی یا نہیں؟ یہ امر فیصلہ شدہ نہیں۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ تمہارے کہنے کے بموجب

وُہ ایسا ہی ہے کہ جیسا تم خیال کرتے ہو تو اُس کی حالت قابلِ رحم ہے
نہ کہ قابلِ نفرت۔

ب۔ وُہ کیسے؟

الف۔ تم کہتے ہو کہ ج کے ضمیر ہی نہیں ہے۔

ب۔ بالکل ٹھیک۔ اُس کے ضمیر کہاں!

الف۔ تب ج روحانی لحاظ سے لنگڑا ہے۔ کیا تم اندھوں سے اس لئے نفرت کرتے ہو کہ وُہ دیکھ نہیں سکتے؟ یا گونگوں اور بہروں سے اس لئے نفرت کرتے ہو کہ وُہ بول اور سُن نہیں سکتے۔ جب کسی جہاز ران کا کمپاس گُم ہو جائے یا پتوار ٹوٹ جائے اور اُس کا جہاز کسی چٹان سے ٹکرا کر غرق ہو جائے۔ تو کیا تم اُس پر یہ الزام لگاؤ گے کہ اُس نے جہاز کو چٹان سے دُور کیوں نہیں رکھا؟ یا تم کپتان کو جہاز کے مسافروں کی جان جانے کے لئے ذمہ دار ٹھہراؤ گے؟ اگر کسی شخص کے اندر ضمیر ہی نہ ہو تو وُہ اخلاقی رہنمائی کے لئے کوئی ذریعہ ہی نہیں رکھتا۔ اور اس لئے اُسے اپنی خود غرضی ہی اچھی۔ سچی اور درست معلوم ہوتی ہے۔ ج تمہاری نظروں میں بُرا ہے؟ کیا وُہ اپنے اعمال کو خود بھی بُرا سمجھتا ہے؟

ب۔ خواہ اپنے آپ کو بُرا سمجھے یا نہ سمجھے لیکن وُہ درحقیقت بُرا ہے۔

الف۔ اگر میں تمہیں اس لئے بُرا سمجھوں کہ تم ج سے نفرت کرتے ہو تو کیا میں راستی پر ہوں؟

ب۔ نہیں۔

الف۔ کیوں نہیں؟

ب۔ کیونکہ ایسی حالت میں میرے لئے ج کو نفرت کرنا ضروری۔ مناسب اور درست ہے۔ پاک غصہ اور پاک نفرت بھی تو کوئی چیز ہے؟

الف۔ تو کیا پاک خود غرضی۔ پاک ہوس۔ پاک بُرائی بھی کوئی چیز ہیں؟ چونکہ تم

ایک بات کو درست سمجھ کر رہے ہو اور اپنا انسانی فرض اور سُنہری حق سمجھ کر ج سے نفرت کر رہے ہو اس لئے تم کو بُرا سمجھنا میری غلطی ہے۔تاہم نفرت کرنے کی بہ نسبت ایک اور بہتر راستہ بھی ہے۔اور اُس بہتر راستہ کا علم مجھے ج کو نفرت کرنے سے روکتا ہے۔اُس کا طرز عمل میری نظروں میں خواہ کتنا ہی بُرا ہو لیکن خود اُسے یا اُس کے ساتھیوں کو تو بُرا معلوم نہیں ہوتا۔اس کے علاوہ جیسا کوئی بوئے گا ویسا ہی کاٹے گا۔

ب۔ تو وہ بہتر راستہ کون سا ہے ؟

الف۔ وہ پریم کا راستہ ہے۔ دُوسروں میں بُرائی نہ دیکھنے کا راستہ ہے۔یہ ایک آنند اور شانتی کا راستہ ہے۔

ب۔کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ دل کی ایک ایسی حالت بھی ہوسکتی ہے کہ جسمیں انسان دوسروں کو بدی کرتا ہُوا دیکھ کر بھی غصّہ نہیں کر سکتا ؟

الف۔ نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔کیونکہ جب تک انسان دوسروں کو بُرا خیال کرتا رہے گا۔وہ ناراض بھی ہوتا رہیگا۔میرا مطلب یہ ہے کہ انسان شانتی اور پریم کی اس حالت تک بھی پہنچ سکتا ہے۔جہاں پہنچ کر وہ کسی میں بھی ایسا عیب نہیں دیکھتا کہ جس کے لئے اُسے غصّہ کرنے کی ضرورت پڑے اس حالت میں پہنچ کر وہ لوگوں کی جُدا جُدا فطرت کو سمجھ لیتا ہے۔کہ لوگ کس کس غرض کو لے کر کام کرتے ہیں۔اور کس طرح سے وہ اپنے ہی خیالات اور اعمال کی خود کاشت کردہ فصل کاٹتے ہیں۔خواہ وہ تکلیف کے کانٹے ہوں یا خوشی وراحت کے میٹھے پھل۔اس حالت میں پہنچنے کے یہ معنے ہیں کہ وہ انسان سب پر دیا اور سب کے ساتھ پریم کرتا ہے۔

ب۔ تم نے مذکورہ بالا حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے۔وہ بے شک بہت ہی اعلیٰ پاک اور خوبصورت ہے لیکن افسوس کہ میں ایسی حالت کو پہنچنا نہیں چاہتا۔بلکہ میری تو یہی پرارتھنا ہے کہ میرا دل کبھی بھی ایسی حالت میں نہ

پہنچے کہ جس میں ج جیسے بڑے آدمی سے نفرت کرنا چھوڑ دوں۔
اس بات چیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ب نفرت کو اچھا سمجھتا ہے
اور اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا - اسی طرح دوسرے لوگ بھی جو کچھ وہ
کرتے ہیں اُسے اچھا اور ضروری سمجھتے ہیں جن باتوں میں انسان کا یقین
ہوتا ہے وہ اُن پر عمل کرتا ہے۔ اور جب یقین نہیں رہتا تو پھر عمل کرنا بھی
چھوڑ دیتا ہے - ب بھی اپنی ویسی ہی آزاد مرضی رکھتا ہے - جیسی کہ دوسرے
اگر وہ پسند کرے تو اُسے دوسروں سے نفرت کرنے کا پورا حق ہے جب
تک اُسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ نفرت کرنے کا پھل دُکھ اور عذاب ہے۔
نفرت کرنا سخت غلطی - حماقت اور اندھاپن ہے - اس سے مجھ کو ہی نقصان
پہنچتا ہے - تب تک وہ نفرت کرنا نہیں چھوڑ سکتا۔
ایک دفعہ کسی مہاپرُش سے اُس کے شاگرد نے پوچھا کہ نیکی اور بدی میں کیا
فرق ہے - تو اُس نے اپنے ہاتھ کی اُنگلیوں کو نیچے کی طرف جھکا کر پوچھا - میرا ہاتھ
کس طرف جھکا ہوا ہے - شاگرد نے جواب دیا نیچے کی طرف - مہاتما نے ہاتھ کی
اُنگلیوں کو پھر اُوپر کی طرف کر کے پوچھا اب میرا ہاتھ کس طرف کو ہے - شاگرد نے
جواب دیا - اُوپر کی طرف - مہاتما نے فرمایا - بس یہی فرق نیکی اور بدی میں ہے۔
اس سادہ مثال سے مہاپرُش نے یہ اُپدیش دیا کہ اپنی طاقت کو ناپاک اور نامناسب
طرف لگانا بدی ہے - اور پاک اور مناسب طرف لگانا نیکی ہے - اور یہ بھی کہ
بُرا آدمی اپنا رُخ بدل لینے سے نیک بن سکتا ہے۔
بُرائی کی اصلیت سمجھنے اور نیک زندگی بسر کرنے کے یہ معنے ہیں کہ انسان
دوسروں میں بُرائی دیکھنا چھوڑ دے - مبارک ہے وہ انسان کہ جو دوسروں
کے نقصوں کو دیکھنا چھوڑ کر - اپنے دل کو پاک بنانے کی کوشش کرتا ہے -
اُسے ایک دن وہ پاک نگاہ مل جائے گی کہ جس سے وہ بُرائی کو دیکھ ہی نہ سکیگا
بُرائی کی حقیقت کو جان کر انسان کو کیا کرنا چاہیئے - اس کو چاہیئے کہ وہ صرف

نیکی میں ہی مصروف رہے۔ اگر مجھ کو کوئی قصوروار ٹھہراتا ہے تو مَیں اُسے قصوروار نہیں بتلاؤں گا۔ اگر کوئی شخص مجھے گالی دیتا ہے تو مَیں اُس کے ساتھ بھلائی کروں گا۔ اگر کوئی مجھ پر الزام لگاتا ہے تو مَیں اُس کی خوبیوں کا ذکر کروں گا۔ اگر مجھ سے کوئی نفرت کرتا ہے تو مَیں سمجھوں گا کہ اُسے میرے پریم کی ضرورت ہے زود رنج کے ساتھ مَیں متحمّل مزاجی سے برتاؤ کروں گا۔ لالچی کے ساتھ مَیں فیاضی سے کام لونگا۔ اور جھگڑالو اور لڑاکے کے ساتھ مَیں نرمی اور حلیمی کا برتاؤ کروں گا۔ جب مجھے بُرائی نظر ہی نہ آئے گی تو پھر مَیں کس سے نفرت اور کس سے دشمنی رکھوں گا؟

"اے میرے بہن بھائیو! اگر دنیا تمہیں تکلیف یا اذیت پہنچانا چاہتی ہے۔ یا تمہارے ساتھ دشمنی اور حسد رکھتی ہے تو مُجھے تمہارے لئے افسوس ہوتا ہے۔ میرے ساتھ تو کوئی دشمنی نہیں کرتا۔ حسد نہیں کرتا۔ سب ہی مجھ سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ مَیں تو رونا جانتا ہی نہیں۔ مجھے رونے سے کیا واسطہ"۔

جو شخص دوسروں میں کوئی بُرائی دیکھتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اُن کے بُرے خیالات اور اُن کے بُرے کاموں کی تہ کے نیچے شیطان موجود ہے۔ جو اُن کو اس قسم کے گناہ آلودہ کام کرنے کے لئے اُکساتا رہتا ہے۔ لیکن پاک دل انسان ایسا خیال نہیں رکھتا۔ وہ بُرے کاموں کو ہی بُرائی مجسّم سمجھتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ اِن کاموں کے پیچھے کوئی بڑی طاقت یا کوئی بُری رُوح یا انسان موجود نہیں ہے۔ کائنات کا جوہر نیکی ہے نہ کہ بدی۔ نیکی قائم رہنے والی ہے اور بدی عارضی

جیسے ایک ہی ماں باپ کی اولاد۔ ایک ہی گھر میں رہنے والے بہن بھائی دُکھ سُکھ میں مل جل کر پریم سے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے نُقصوں کو دیکھتے نہیں پھرتے۔ بلکہ ایک دوسرے کی غلطیوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اور پریم کے مضبوط رشتہ میں بندھے رہتے ہیں۔ اسی طرح ایک نیک انسان سب ہی لوگوں کو ایک ہی رُوحانی کُنبہ کے ممبر خیال کرتا ہے۔ ایک ہی باپ کی اولاد۔

ایک ہی خمیر سے بنے ہوئے اور ایک ہی مقصد رکھنے والے سمجھتا ہے۔ وہ سب کو اپنا بہن بھائی جان کر کسی کو جُدا نہیں جانتا۔ اُس کے لئے ذات پات مذہب و ملّت۔ ملک و قوم۔ گورے و کالے کا کوئی بھید نہیں۔ کوئی تمیز نہیں۔ وہ کسی میں بُرائی نہیں دیکھتا۔ سب کے ساتھ امن و امان سے رہتا ہے۔ مبارک ہے وہ شخص کہ جو اس آنند کے راستہ پر پہنچ گیا ہے۔

نواں راستہ سامنے نظر آتا ہے۔ اس پر چلنے سے پہلے دل کی ایسی حالت بنا لو کہ تم کسی میں بُرائی دیکھ ہی نہ سکو۔

نواں راستہ

ابدی راحت (دائمی خوشی)

کون لوگ تاریک گلیوں اور پُر شور بھیڑ بھاڑ میں اپنی روزانہ محنت مزدوری خوش دلی سے کر سکتے ہیں۔ صرف وہ لوگ کہ جن کے دل میں ایک پاکیزہ تار بج رہا ہے۔

(کیبل)

ہمارے دن روشن اور پُرسکون ہوں گے اور ہماری فطرت بشّاش۔ جبکہ محبت کی مشعل ہماری رہنما اور خود راحت ہماری ضامن ہوگی۔

(ورڈس ورتھ)

ابدی راحت! دائمی خوشی! قائم رہنے والا آنند! کیا سچ مچ کوئی ایسی چیز ہے؟ وہ کہاں ہے؟ اور کس کے پاس ہے؟ ہاں ایسی چیز ہے۔ وہ وہاں ہے کہ جہاں گناہ نہیں۔ وہ پاکیزہ دل میں رہتی ہے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را باکسے کارے نباشد

جیسے تاریکی ایک گذر جانے والا سایہ ہے۔ اور روشنی ایک قائم رہنے والی اصلیت ویسے ہی رنج و غم بھی عارضی ہے۔ اور خوشی ہمیشہ رہنے والی۔ کوئی بھی سچّائی نیست و نابود نہیں ہو سکتی۔ کوئی بھی جھوٹ قائم نہیں رہ سکتا۔ رنج و غم بھی جھوٹ کی طرح قائم نہیں رہ سکتا۔ خوشی سچّائی کی طرح مر نہیں سکتی۔ خوشی کچھ وقت کے لئے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ مگر پھر حاصل کی جا سکتی ہے۔ رنج و غم کچھ دیر کے لئے رہ سکتا ہے۔ لیکن اُسے مغلوب کر کے دُور کیا جا سکتا ہے۔

کبھی یہ خیال نہ کرو کہ تمہارا دکھ ہمیشہ قائم رہے گا۔ وُہ تو بادل کی طرح پھٹ جائے گا۔ تم ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ تمہیں ہمیشہ عذاب ملتا رہے گا۔ وُہ تو خواب پراگندہ کی طرح غائب ہو جائے گا۔ جاگو! اُٹھو! خوش اور بشاش ہو۔ دیکھو تمہارا سایہ تم سے ہی بنتا ہے۔ تم اپنی خواہشیں جتنی زیادہ بڑھاتے ہو۔ تمہیں اُتنا ہی رونا پڑتا ہے۔ جتنا اُنہیں کم کرتے ہو۔ تم اُتنے ہی خوش رہتے ہو۔

تم دُکھ کے بیکس اور لاچار غلام نہیں۔ ختم نہ ہونے والی خوشی گھر کے دروازہ پر تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ تم گناہ اور تاریکی کے ہمیشہ کے لئے قیدی نہیں ہو۔ تمہاری سوئی ہوئی آنکھوں کے پپوٹوں پر اَب بھی پاکیزگی کی خوشنما روشنی چمک رہی ہے۔ اور تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہی ہے۔

خود غرضی اور گناہ کی گہری نیند میں دائمی خوشی غائب ہو جاتی ہے۔ ہم اُسے بھول جاتے ہیں۔ اُس کا ختم نہ ہونے والا راگ سُنائی نہیں دیتا۔ اُس کے نہ مُرجھانے والے پھولوں کی خوشبو مسافر کے دل کو خوش نہیں کر سکتی۔

لیکن جب گناہ اور خود غرضی چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ جب لذّاتِ نفسانی کا غلبہ نہیں رہتا۔ تب دُکھ کا سایہ دُور ہو جاتا ہے۔ دل کو دائمی خوشی حاصل ہو جاتی ہے۔ خود غرضی سے خالی شُدہ دل خوشی سے بھر جاتا ہے۔ کیونکہ شانت (پُرسکون) دل میں خوشی بستی ہے۔ اور پوتر آتما پر اُس کی حکومت ہے۔ خود غرضی سے خوشی دُور بھاگتی ہے۔ جھگڑالو اور لڑاکے کو یہ چھوڑ جاتی ہے۔ اور ناپاک انسان

سے یہ مُنہ چھپا لیتی ہے۔

خوشی ایک ایسی خوبصورت۔ نازک اور پاک دیوی ہے کہ جو پاکیزگی کے ساتھ ہی رہ سکتی ہے۔ جہاں خود غرضی رہتی ہے وہاں وہ ایک دم نہیں ٹھہر سکتی۔ وہ پریم کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ یعنی جہاں پریم ہے وہاں ہی وہ ہوتی ہے۔

خود غرضی کے چھوڑنے سے خوشی ملتی ہے۔ خوشی کی مقدار خود غرضی کی مقدار کے برابر ہوتی ہے۔ گو دائمی خوشی کا احساس تو پوتر آتماؤں کو ہر وقت ہو سکتا ہے۔ مگر جس گھڑی یا جس لمحہ میں کوئی شخص خود غرضی سے پاک ہوتا ہے۔ اس وقت کے لئے اُس کا دل خوشی سے بھر جاتا ہے۔ ہر ایک بیغرضانہ خیال اور فعل کے اندر ایسی خوشی ظاہر ہوتی ہے کہ جو لذات جسمانی کے حظ سے بالکل علیحدہ قسم کی خوشی ہے۔ جس کا نتیجہ دُکھ نہیں ہوتا۔ دراصل ہر ایک آدمی جتنا خود غرضی سے پاک ہوتا ہے وہ اُتنی ہی خوشی حاصل کرتا ہے۔ وہ جتنا خود غرض ہوتا ہے اُتنا ہی دُکھ اُٹھاتا ہے۔ سب ہی نیک آدمی جنہوں نے کامیابی کے ساتھ خود غرضی پر فتح حاصل کر لی ہے۔ خوش رہتے ہیں۔ ایک پوتر آتما کی خوشی کا تو کیا ٹھکانہ! کوئی ہادی یا سچا گرو یہ نہیں کہتا کہ زندگی کے خاتمہ پہ دُکھ ملے گا۔ بلکہ ہر ایک یہ بتلاتا ہے کہ آخر میں سُکھ ملے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ دُکھ ملتا ہے مگر یہ صرف کسی گناہ کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ جُوں ہی خود غرضی کا خاتمہ ہوتا ہے دُکھ خود بخود بھاگ جاتا ہے۔

خوشی پاکیزگی کا ساتھی ہے آنند اور پوترتا اکٹھے رہتے ہیں۔ جہاں پہلے رنج والم رہتے تھے۔ وہاں پاکیزگی آتے ہی دل رحم سے بھر جاتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خود غرضی کو چھوڑتے ہوئے دُکھ ضرور ہوتا ہے۔ پاک بنتے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بننے میں تکلیف ضرور ہے۔ لیکن بن جانے کے بعد تو خوشی ہی خوشی ہے۔ اور یہ حالت کیسی ہوتی ہے؟

"ایسی حالت کہ جہاں پر دل کی سب ہی اعلیٰ صفات ملتی ہیں۔ یعنی دل کی خوبصورتی۔ دل کی طاقت اور محبت وغیرہ سب موجود ہوتی ہیں۔ انسان اپنے اعمال۔ اپنے احساس۔ اپنے خیالات۔ اپنے حالات۔ اور اپنے افعال کا خود مالک ہوتا ہے۔"

ذرا غور تو کرو کہ ایک پھول کس طرح پر بنتا ہے پہلے وہ چھوٹا سا بیج تھا جو زمین میں مٹی کے نیچے دبا ہوا اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آنے کیلئے راستہ تلاش کر رہا تھا۔ پھر انکر کی شکل میں پھوٹا۔ ایک ایک پتہ بڑھتا گیا پھر پورا پھول بن کر خوشبودار۔ خوش نما۔ اور خوبصورت شکل میں ظاہر ہوا۔ اب اس کی ساری جدوجہد ختم ہو گئی۔

یہی حال انسانی زندگی کا ہے۔ انسان پہلے خود غرضی اور جہالت کی تاریک زمین میں اندھے کی طرح روشنی کو ٹٹولتا ہے۔ پھر روشنی میں آتا ہے یعنی دل کا اندھیرا دور ہونے لگتا ہے۔ پھر دکھ اور تکلیف اٹھاتا ہوا آہستہ آہستہ خودغرضی سے اوپر اٹھتا ہے۔ آخر کار پاک اور بے غرضانہ زندگی کا پورا پھول نشوونما پا جاتا ہے۔ جس سے پاکیزگی کی خوشبو اور آنند کی لہریں نکل کر بغیر کسی کوشش کے سب تک پہنچتی ہیں۔

نیک اور پاک دل انسان سب سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ خواہ لوگ بطور حجت کے اس سچائی سے انکار کریں یا اس کے قبول کرنے میں تامل کریں۔ لیکن انسانی دل اسے خود بخود ہی قبول کرتا ہے۔ قریباً ہر زمانہ اور ملک کے لوگ فرشتوں کے متعلق یہ یقین رکھتے چلے آئے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہی خوش رہتے ہیں۔ گوشت اور ہڈی کے بنے ہوئے کئی انسانی وجود بھی ان فرشتوں کی مانند خوش اور بشاش ہوتے ہیں۔ ان سے کبھی کبھار ہماری ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن ہم انہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اور ان کے ملنے جلنے والے بھی اکثر خود اتنے پاک نہیں ہوتے کہ ان انسانی وجود رکھنے والے

فرشتوں کی اندرونی تصویر دیکھ سکیں اور اُنہیں ٹھیک طور پر پہچان سکیں جو دیکھ نہیں سکتے اُنہیں ضرور ہی اُسی طرح ٹٹولنا پڑتا ہے کہ جیسے بیج کو پھل بننے سے پہلے۔ جس انسان کی اندرونی آنکھیں کھُل گئی ہیں۔ اُسے بیرونی نشانوں کی ضرورت نہیں رہتی"۔

ہاں اَپوِتر آتما ہی آنند بھوگتی ہے۔ پاک شخص ہی خوش اور بشاش رہتا ہے۔ مسیح کے الفاظ میں کہیں بھی رنج و غم کا اظہار نہیں۔ "غم زدہ آدمی (مسیح ایسا کہلاتا تھا) تجربہ حاصل کرتے کرتے خوشی مجسّم میں مکمّل ہو جاتا ہے" یعنی رنج و غم۔ تکلیف و مصیبت کے اندر سے گذر کر ہی انسان خوشی کو حاصل کرتا ہے۔

"پہلے میں تمام دُنیا کے لوگوں کے غم میں شریک تھا۔ اپنے بھائیوں کے آنسوؤں کے ساتھ آنسو بہاتا تھا۔ تمام دُنیا کے رنج و مصیبت سے میرا دل پاش پاش تھا۔ اَب میں ہنستا ہوں اور خوش ہوں۔ کیونکہ نجات کا راستہ کھُلا ہُوا ہے"۔ (مہاتما بدھ)

پاپ میں اور پاپ کے ساتھ لڑنے میں دُکھ ہے۔ اشانتی ہے۔ لیکن سچّائی کی تکمیل اور نیکی کے راستہ میں دائمی خوشی ہے۔

"اِس راستہ میں داخل ہو! یہاں پر ہر طرح کی پیاس کو بجھانے والی دودھ کی ندیاں بہتی ہیں۔ یہاں پر سدا بہار پھُول کھِلے ہوتے ہیں۔ جو تمام راستہ پر خوشی کو بچھاتے ہیں۔ یہاں پر دن عید اور رات شب برات ہے۔ یعنی دن اور رات دونو ہی خوشی سے بھرے ہوئے ہیں"۔

دُکھ اُسی وقت تک رہتا ہے جب تک خود غرضی کا کچھ حصّہ دور کرنا باقی ہوتا ہے۔ جب اناج کے دانے چھلکے سے دُور کر لئے جاتے ہیں تو کوٹنے والی مشین کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر جب دل کے اندر کی باقی ماندہ ناپاکی (میل)، دُور ہو جاتی ہے تو دُکھ کی مشین کا کام بھی ختم ہو جاتا

ہے ۔ پھر اُس کی ضرورت نہیں رہتی ۔ تب دائمی خوشی کا احساس اور حقیقی آنند کا انبھو ہوتا ہے ۔

دنیا کے سب ہی سادھو ۔ مہاتما ۔ پیر ۔ پیغمبر خوشخبری سنایا کرتے ہیں ۔ وہ خوشخبری کیا ہوتی ہے ؟ اُس کو سب ہی لوگ جانتے ہیں ۔ مثلاً کسی آنے والی مصیبت کا ٹل جانا ۔ بیماری سے صحت پانا ۔ کسی دوست کا آنا یا اُس کا بخیریت پہنچ جانا مشکلات پر فتح پانا ۔ کسی کام میں کامیابی حاصل ہونا ۔ یہ ہی سب خوشخبریاں ہیں لیکن نیک اشخاص یا پوِتر آتما کیا خوشخبری سناتے ہیں ۔ وہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ کے لئے آرام ۔ غم زدہ کے لئے خوشی ۔ گنہگار کے لئے نجات کا راستہ ۔ زخمی دل کے لئے مرہم شفا ۔ بھٹکتے ہوئے کے لئے گھر کی واپسی میسر ہوتی ہے ۔ اور یہ نہیں کہ یہ سب نعمتیں کسی آنے والی دُنیا میں ملیں گی ۔ بلکہ یہ اسی جگہ اور اب موجود ہیں ۔ جس طرح اور لوگوں نے اُن کو حاصل کیا ہے ۔ اسی طرح تم بھی حاصل کر سکتے ہو ۔ تم صرف خود غرضی کی زنجیروں کو توڑ ڈالو ۔ بے غرضانہ پریم کی روشنی میں آجاؤ ۔ تب یہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا ۔

اعلیٰ سے اعلیٰ نیکی کی تلاش کرو ۔ اُسے پا کر اُس کی مشق یا اُس کے متعلق سادھن کرو ۔ جب تم اُسے اپنی نیکی بنا لو گے ۔ تب تمہیں بہت گمبھیر اور میٹھے آنند کا لطف ملے گا ۔ جتنا تم اپنی خود غرضانہ خواہشوں کو دباتے جاؤ گے ۔ دوسروں کی بھلائی کا خیال رکھو گے ۔ دوسروں کی سیوا کرو گے ۔ دوسروں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرو گے ۔ تم کو اپنی زندگی میں اُتنا ہی آنند ملے گا ۔ اُس سے زیادہ نہیں ۔

خود غرضی کے دروازہ سے گذرنے کے بعد آنند کی دیوی کا مندر ہے ۔ جس کی خواہش ہو اس مندر کے اندر داخل ہو سکتا ہے ۔ اور جسے شک ہو وہ خود داخل ہو کر دیکھ لے ۔

خود غرضی دُکھ کا موجب ہے ۔ اُس کا چھوڑنا نہ صرف اپنے لئے بلکہ سب کے لئے سکھ کا باعث ہے ۔ وہ سب لوگ جو ہمارے تعلق میں آتے ہیں ۔ ہمارے

بے غرضانہ پن کی وجہ سے سُکھی ہوتے ہیں۔ اور نیک بن سکتے ہیں۔ سب نوع انسان
ایک ہی ہیں۔ جو ایک کا سُکھ ہے وہ سب کا سُکھ ہے اور جو ایک کا دُکھ ہے۔
وہ سب کا دُکھ ہے۔ اس لئے ہمیں زندگی کے عام راستوں میں کانٹوں کی
بجائے پھُول بچھانے واجب ہیں۔ یہاں تک کہ ہمیں اپنے دشمنوں کے راستہ
میں بھی بے غرضانہ پریم کے پھُول بچھانے چاہئیں۔ پھُول بچھے ہوئے راستوں
پر جب سب لوگ چلیں گے تو دُنیا کو پاکیزگی کی خوشبو اور خوشی کی مہک سے
بھر دیں گے۔ اور دُنیا ایک آنند کی جگہ بن جائے گی۔

دسواں راستہ اب سامنے ہے مگر اس پر چلنے سے پیشتر وہ دائمی خوشی
حاصل کر لو۔ جو کہ خود غرضی کو چھوڑنے سے مل سکتی ہے۔

دسواں راستہ

خاموشی (مون)

"اے انسان تُو خاموشی اختیار کر۔ خاموشی زندگی کا تاج ہے۔ اتنے لمبے
دن میں ایک گھنٹہ تو چُپ رہ۔ سارا دن اگرچہ فضول اور لاحاصل باتوں میں گذر
جاتا ہے۔ مگر درحقیقت ہم کچھ بھی نہیں کہتے۔ یعنی اصلی اور مطلب کی بات ایک
بھی نہیں ہوتی۔ اگر تم دانائی سیکھنا چاہتے ہو کہ جس سے تمہاری باتوں کا کچھ اثر
ہو تو تھوڑی دیر کے لئے اپنی گپ بازی اور فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ اور
خاموشی کی سنہری تقریر کو سُنو۔" (اے۔ ایل۔ سامن)

"اے آتما تو خاموشی اختیار کر۔ بھڑکتی ہوئی بے چینی اور کام کی الجھنوں
سے ذرا آرام لے۔ گھڑی بھر کے لئے تنہائی میں اپنے ساتھ رہنے سے

ست ڈر"۔

(ارنسٹ کراس بی)

عقلمند انسان کی تقریر میں تو طاقت ہے ہی۔ لیکن اُس کی خاموشی میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ مہاپُرش جب کسی مقصد کے لئے خاموش ہو جاتے ہیں۔ تو وہ ہمیں زیادہ مؤثر طور پر تعلیم دیتے ہیں۔ مہاپُرشوں کی خاموش تعلیم کو اُن کے کچھ شاگرد ہی سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن ایسی تعلیم لکھی جا کر ہزاروں سالوں تک قائم رہتی ہے۔ ایک تیز اور طرار بولنے والے کی تقریر ہزارہا کان سُنتے ہیں۔ لیکن ایک لمحہ میں وہ الفاظ غائب ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ جب جج پائیلیٹ نے مسیح سے پوچھا "سچائی کیا ہے"؟ تو مسیح چُپ رہا۔ اُس کی خاموشی۔ اُس کی اعلیٰ دانائی کی طاقت کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ خاموشی انکساری سے بھری ہوئی تھی۔ وہ خاموشی جج کے لئے ایک طرح کی ملامت تھی کہ جو کم ظرف آدمیوں کے لئے ہمیشہ سبق آموز رہے گی۔ مسیح کی خاموشی اس ضرب المثل کو ثابت کرتی ہے کہ "جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں وہاں پر بیوقوف بے تحاشہ کود پڑتے ہیں"۔ کم ظرف لوگ کائنات کی پُر اسرار اور پیچیدہ باتوں کی بحث میں اُلجھ جاتے ہیں۔ اور اپنی اپنی مذہبی کتابوں کے حوالے پیش کرنے میں بڑا جوش و خروش دکھاتے ہیں۔ گویا کائنات کی ہستی اور نیستی اُن کے ہی دم قدم سے ہے۔ جب کتابی گیان رکھنے والے برہمنوں نے مہاتما بُدھ سے برہم کے متعلق سوال کئے تو وہ خاموش رہے۔ اُن کی خاموشی نے برہمنوں کو وہ تعلیم دی۔ جس سے وہ ناواقف تھے۔ اگرچہ اُن کی خاموشی سے بیوقوفوں کی تسلّی نہیں ہوئی۔ لیکن سمجھداروں کو اچھا سبق مل گیا۔ ایشور کے متعلق اس قدر بحث مباحثہ کیوں؟ اتنی تنگ دلی کیوں؟ اتنا تعصب کیوں؟ رواداری سے کام کیوں نہ لیا جائے؟ کیوں نہ اس پہلو میں نرمی۔ مہربانی اور نیک نیتی کا برتاؤ کیا جائے؟ اور اس طرح پر دانائی کے سادہ اور ابتدائی

اصولوں کو سمجھ لیا جائے۔ ایشور کیا ہے؟ اس کے متعلق اتنے قیاسی گھوڑے کیوں دوڑائے جاتے ہیں پہلے ہمیں خود اپنے متعلق تو جان لینا چاہیئے۔ بد اعتقادی اور گھمنڈ۔ جہالت اور اخلاقی کمزوری کی علامت ہیں۔ انکساری اور اعتقاد دانائی اور روحانی پختگی کی علامت ہیں۔

لاؤزی (چینی مہاپرش) نے اپنی زندگی سے یہ دکھلا دیا کہ دانا شخص لفظوں کی امداد کے بغیر ہی تعلیم دے سکتا ہے۔ لاؤزی کی خاموشی نے اُس کے ہزارہا شاگرد بنا دیئے۔ وہ گمنامی اور خاموشی کی حالت میں رہتا تھا۔ اس نے لوگوں کو کبھی اُپدیش نہیں دیا۔ اور نہ ہی اُپدیش کے لئے کہیں باہر گیا۔ تو بھی لوگوں نے اُسے ڈھونڈ نکالا۔ اور اُس سے دانائی کا سبق سیکھا۔

گذشتہ زمانہ کے مہاپرشوں کے خاموش کام داناؤں کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ کہ جس کی روشنی اُنہیں راستہ دکھلاتی ہے۔ کیونکہ جو شخص نیکی اور دانائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اُس کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ اُسے اس بات کا علم ہو کہ کہاں اور کس موقعہ پر بولنا چاہیئے۔ بلکہ اُس کو یہ بھی معلوم ہو کہ کہاں خاموش رہنا چاہیئے۔ زبان پر قابو رکھنا دانائی کا آغاز ہے اور دل پر قابو پا لینا دانائی کی آخری منزل ہے۔ انسان زبان پر قابو پا لینے سے دل پر بھی قابو پا لیتا ہے اور اس طرح پر وہ خاموشی کا پختہ عامل بن جاتا ہے۔

بے وقوف شخص بک بک کرتا۔ گپیں ہانکتا۔ فضول بحث کرتا اور لفظی لڑائی لڑتا رہتا ہے۔ وہ اس بات پر فخر کرتا ہے کہ میں نے اپنے مخالف کی زبان بند کر دی۔ وہ اپنی حماقت پر پھولتا اور اپنی طاقتوں کو فضول باتوں میں کھوتا ہے وہ اُس مالی کی طرح ہے کہ جو بنجر زمین میں بیج بوتا ہے۔

دانا آدمی لفظی بحث۔ گپ شپ اور فضول دلیل بازی سے پرہیز کرتا ہے۔ وہ ہار مان لینے میں خوش ہے۔ شکست کھا کر وہ اس لئے خوش ہوتا ہے کہ اُس نے اپنی ایک اور غلطی کو معلوم کر کے اُسے دور کر دیا۔ اور اُس

طرح سے دانائی کا ایک اور سبق سیکھ لیا ہے۔ مبارک ہے وہ شخص کہ جو ہٹھ دھرمی سے اپنی ہی بات پر اڑا نہیں رہتا "میں پہلے زباندانوں اور منطقیوں سے بحث مباحثہ میں اُلجھتا رہتا تھا۔ مگر اب میں اپنی بے سمجھی کو سمجھ گیا ہوں اب میں نہ بحث کرتا ہوں۔ نہ کسی کا تمسخر اُڑاتا ہوں۔ میں تو صرف چُپ چاپ سُنا کرتا ہوں"۔

اشتعال دلائے جانے پر بھی خاموش رہنا۔ مہذب اور ہمدرد دانسان کی علامت ہے۔ بے سمجھ اور نادان لوگ ذراسی بات پر بھڑک اُٹھتے ہیں۔ ذرا سے اعتراض پر اُن کی عقل گُم ہوجاتی ہے۔ اور وہ سٹپٹا جاتے ہیں۔ حضرت مسیح کی خود ضبطی کوئی کرامات نہیں۔ بلکہ تہذیب کا پھُول اور دانائی کا تاج ہے۔ جب مسیح کی بابت پڑھتے ہیں کہ اُس نے جواب میں ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ اور وہ نما بُدھ" بالکل خاموش رہے"۔ تو ہمیں خاموشی کی طاقت اور عظمت کا پتہ لگتا ہے۔

خاموش انسان ہی رُوحانی طور پر طاقتور انسان ہوتا ہے۔ بک بک کرنے والے کے کلام میں اثر نہیں ہؤا کرتا۔ اُس کی رُوحانی طاقتیں ضائع ہوجاتی ہیں۔ جب کسی انجن کی طاقت کو کام میں لانا ہوتا ہے تو اُس کا چلانے والا پہلے انجن کی طاقت کو جمع کر لیتا ہے۔ اسی طرح عقلمند انسان بھی اپنی رُوحانی طاقتوں کو کسی خاص کام میں برتنے کے لئے جمع کرکے روکے رکھتا ہے۔ تاکہ مناسب وقت پر اُن کا استعمال کیا جائے۔

حقیقی طاقت خاموشی میں ہے۔ یہ کہاوت مشہور ہے کہ جو کُتّا بھونکتا ہے۔ وہ کاٹتا نہیں۔ بُل ڈاگ کتے کی بابت اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ بالکل چُپ چاپ رہتا ہے۔ اور ضرورت پڑنے پر خاموشی میں جمع کی ہوئی اپنی طاقت کو بڑے جوش کے ساتھ کام میں لاتا ہے۔ گو کُتّے کی یہ خاموشی نہایت ادنےٰ درجہ کی خاموشی کی مثال ہے۔ لیکن اُس میں بھی وہی اصول کام کرتا ہے

کہ خاموشی میں طاقت ہے۔

ڈینگیں مارنے والا شخص ناکامیاب رہتا ہے۔ کیونکہ اُس کی توجہ اپنے اصلی مقصد سے ہٹ جاتی ہے۔ اُس کی اندرونی طاقت اپنی ہی تعریف کرنے میں خرچ ہو جاتی ہے۔ اُس کی دلی طاقت اُس کے کام اور اُس کام کے انعام کے لالچ میں بٹ جاتی ہے۔ اُس کی طاقت کا بڑا حصّہ تو انعام کی خواہش میں خرچ ہو جاتا ہے۔ صرف تھوڑا سا حصّہ کام کرنے پر لگایا جاتا ہے۔ وہ ناتجربہ کار جرنیل کی مانند ہے۔ جو اپنی فوج کو کسی ایک ہی مرکز پر جمع نہ کر کے جگہ بجگہ بانٹ دیتا ہے۔ اور اس لئے شکست کھاتا ہے۔ یا وہ اُس لاپرواہ انجینیئر کی طرح ہے جو اپنے انجن کی طاقت کو بھاپ نکلنے والا پیچ کھُلا چھوڑ کر اُس کی کارآمد بھاپ کو بے فائدہ ضائع کر دیتا ہے۔ متحمل۔ خاموش اور سرگرم انسان ہی کامیاب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ خود نمائی اور خود پرستی کو چھوڑ کر اپنی ساری طاقت اپنے کام کو کامیابی کے ساتھ پورا کرنے میں لگا دیتا ہے۔ باتونی شخص ابھی اپنی تعریف کے گیت ہی گاتا رہتا ہے۔ کہ خاموش شخص اپنے کام میں لگ جاتا ہے۔ اور کام کو ختم کرنے کے نزدیک پہنچ جاتا ہے۔ یہ اصول ہر وقت اور ہر جگہ کام کر رہا ہے۔ کہ تقسیم شدہ طاقت جمع کی ہوئی طاقت کے تابع ہوتی ہے۔ باتونی اور خود پرست شخص کو خاموش اور حلیم شخص ہمیشہ ہی شکست دیتا ہے۔

یہ ایک عالمگیر اصول ہے کہ خاموشی میں طاقت ہے۔ ایک کامیاب بیوپاری اپنی تجویزوں۔ طریقوں اور کاموں کی بابت ڈھنڈورا پیٹتا نہیں پھرتا۔ اگر وہ اپنی کامیابی سے بھول کر ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دے تو اُس وقت سے اُس کی ناکامیابی شروع ہو جائے گی۔ زبردست با اخلاق شخص اپنی نسبت یا اپنی رُوحانی کامیابیوں کی نسبت کبھی باتیں نہیں بناتا۔ اگر وہ ایسا کرے تو اُسی لمحہ اُس کی اخلاقی طاقت اور اثر زائل

ہو جائیں گے۔ اور وہ اس پہلو میں بالکل کمزور ہو جائے گا۔ کامیابی خواہ دنیاوی ہو یا رُوحانی وہ طاقت ور۔ مستقل مزاج۔ خاموش اور مقصد سے نہ ہٹنے والے شخص کی غلام ہے۔ قدرت کی زبردست طاقتیں (زلزلہ وغیرہ) جو لمحہ بھر میں شہروں کے شہر نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ شور و غل نہیں مچاتیں۔ عالی دماغ شخص چُپ چاپ کام کرتا ہے۔

اگر تم طاقت ور۔ قابل اور اپنے آپ پر بھروسہ کرنے والے بننا چاہتے ہو تو خاموشی کی قدر کرنا سیکھو۔ اپنے متعلق بہت باتیں نہ بناؤ۔ دُنیا جانتی ہے کہ باتونی شخص کمزور اور کھوکھلا ہوتا ہے۔ وہ تو صرف ڈھول کا پول ہوا کرتا ہے۔ کہاوت ہے کہ "تھوتھا چنا باجے گھنا" دُنیا ایسے شخص کو اپنی ہی تعریفوں کے پُل باندھنے کے لئے چھوڑ دیتی ہے۔ جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو اُس کی نسبت باتیں نہ بناؤ۔ بلکہ کام شروع کر دو کام کے پُورا ہو جانے پر دُنیا خود ہی دیکھ لے گی "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطّار بگوید"۔ دوسروں کے کام پر نکتہ چینی اور مذمّت کرنے میں اپنی طاقت ضائع نہ کرو۔ بلکہ اپنے کام کو پورے دل کے ساتھ کرنا شروع کر دو۔ نکمّے سے نکمّا کام بھی اگر ہمّت اور خوشدلی کے ساتھ کیا جائے تو دوسروں کے کاموں پر نکتہ چینی کرنے سے بہتر ہے۔ تم دوسروں کے کاموں پر تب ہی نکتہ چینی کر سکتے ہو جب تم اپنے کام کی طرف سے غافل ہوتے ہو۔ اگر دوسرے لوگ بھدّے پن اور بے شعوری سے کام کر رہے ہیں۔ تو تم خود اُس کام کو اچھی طرح پر کر کے اُن کی مدد کرو اور اُنہیں سکھلاؤ۔ دوسروں کو بُرا بھلا نہ کہو اور نہ ہی اُن کے بُرا بھلا کہنے کی طرف دھیان دو۔ جب تم پر حملہ کیا جائے تو تم خاموش رہو۔ اس طرح سے تم اپنے اُوپر فتح پا لوگے۔ اور زبان سے کوئی لفظ نکالنے کے بغیر ہی تم دوسروں کو تعلیم دے سکوگے۔

میں حقیقی خاموشی صرف زبان کا بند رکھنا ہی نہیں - بلکہ دل کا پُرسکون یا شانت رکھنا ہے - زبان کو بند رکھنا اور دل دل میں کُڑھتے رہنا - کمزوری کو دُور کرنے اور طاقت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں - خاموشی تب ہی پُرزور ہو سکتی ہے - جبکہ وہ دل و دماغ پر پُورا تسلّط کرے - یہ اندرونی خاموشی یعنی من کی شانتی ہونی چاہیئے - انسان جتنا اپنے اُوپر فتح یاب ہوتا ہے - وہ اُتنا ہی فراخ گہری اور مستقل خاموشی کو حاصل کرتا ہے - جب تک تمہارے دل میں ترغیبات اور رنج و الم کا طوفان مچا رہتا ہے - تب تک سچّی خاموشی حاصل نہیں ہو سکتی - جب تک دوسروں کی باتیں اور کام تمہیں تکلیف دیں تب تک یہی سمجھو کہ تم ابھی کمزور - ناپاک اور خود ضبطی سے خالی ہو - اس لئے خود نمائی - تکبّر - خود غرضی اور بے چینی پیدا کرنے والے خیالات کو دل سے نکال ڈالو - تاکہ کسی کی نکتہ چینی تمہارے دل کو نہ ہلا سکے - کسی کی لعن طعن تمہیں بے چین نہ کر سکے - پختہ مکان کو نہ طوفان ہلا سکتا ہے اور نہ ہی اُسکے رہنے والوں کو بے چین کر سکتا ہے - اُسی طرح اس شخص کو جو دانائی کے قلعہ میں بیٹھا ہُوا ہے کوئی بیرونی بُرائی ہلا نہیں سکتی - وہ خود ضبطی اور خاموشی کے ذریعہ اپنے دل کی شانتی کو قائم رکھتا ہے - نفس پر فتح پا لینے والا شخص ہی ایسی اعلیٰ خاموشی کو حاصل کر سکتا ہے -

"ایسا شخص حسد - بدنامی - نفرت اور بے چینی کی پہنچ سے - کہ جسے لوگ غلطی سے خوشی کے نام سے پکارتے ہیں (یعنی لوگ عموماً دوسروں سے حسد وغیرہ کر کے خوش ہوتے ہیں) بالاتر ہوتا ہے - اور نہ ہی یہ باتیں اُسے تکلیف پہنچا سکتی ہیں"۔

لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ شور و غُل مچائے بغیر کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا - ایسا خیال کرنا سخت غلطی ہے - باتونی شخص چُپ چاپ کام کرنے والے کو نکمّا اور ردّی سمجھتا ہے - اُس کے خیال میں خاموشی کے معنے

ہیں کچھ نہ کرنا۔ اور شور مچانے۔ اُدھم اُتارنے۔ باتیں بنانے کے معنے ہیں
بہت سا کام کرنا۔ وہ صرف ہر دل عزیزی کو ہی طاقت سمجھتا ہے۔ لیکن
غور و فکر کے ساتھ کام کرنے والا ہی اصلی اور با اثر کام کرنے والا ہوتا ہے
اس کا کام نتیجہ خیز اور لوگوں کو سبق سکھانے والا ہوتا ہے۔ جیسے قدرت
چُپ چاپ طور پر اور عجیب وغریب پوشیدہ کیمیاوی ترکیب کے ذریعہ
مٹی اور ہوا کے کثیف عنصروں سے درختوں میں ملائم پتّے۔ خوبصورت
پھول اور خوش ذائقہ پھل ہی نہیں بلکہ ہزارہا قسم کی خوشنمائی پیدا
کردیتی ہے۔ ویسے ہی خاموش رہنے اور با مقصد کام کرنے والا شخص
اپنی خاموش طاقت کے اثر سے لوگوں کے طریقے واطوار کو بدل دیتا
ہے۔ عوام الناس میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ وہ اپنے وقت اور اپنی
طاقت کو مصنوعی اور سطحی باتوں میں اُلجھ کر ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ اُن
کی اندرونی اصلیّت تک پہنچتا۔ اور پھر اُن کی حقیقت کو پہچان کر کام
کرتا ہے۔ اور وقت آنے پر اُس کی پوشیدہ مگر نہ مٹنے والی کوششوں
کے پھل دنیا کو خوشی پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن فضول بکواسی
شخص کے الفاظ بہت جلد برباد ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ تھوتھے الفاظ
کی کھیتی میں پھل نہیں لگا کرتے۔

ذہنی طاقتوں کی حفاظت کرنے سے جسمانی طاقتوں کی بھی حفاظت
ہوتی ہے۔ خاموش اور شانت رہنے والا شخص لمبی عمر پاتا ہے۔ اُس
کی صحت اچھی رہتی ہے۔ متحمل مزاجی رکھنے سے جسمانی صحت پر بھی
اچھا اثر پڑتا ہے۔ انگریزی قوم میں جارج فوکس کے پیرو سب سے زیادہ
تندرست۔ لمبی عمر والے اور کامیاب رہے ہیں۔ کیونکہ اس فرقہ کے
لوگ دُنیا کے شور و شر سے الگ رہتے ہیں۔ فضول بات چیت سے
پرہیز کرتے ہیں۔ اُن کی زندگی پُر مقصد ہوتی ہے۔ وہ خاموشی کی

زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن میں ظاہرداری اور دکھاوا نہیں ہوتا۔ وہ عام طور پر خاموش رہتے ہیں۔ اور اُن کے تمام جلسے بھی اسی اصول پر ہوتے ہیں کہ "خاموشی طاقت ہے"۔

خاموشی اس لئے پُر طاقت ہوتی ہے کہ وہ خود ضبطی کا نتیجہ ہے۔ انسان جتنا زیادہ کامیابی کے ساتھ اپنے اُوپر قابو پاتا ہے۔ وہ اُتنا ہی زیادہ خاموش ہوتا جاتا ہے۔ جب وہ پُر مقصد زندگی بسر کرنے کے قابل ہو کر لذّات جسمانی کے پھندے سے نکل جاتا ہے۔ تب وہ دُنیا کے بیرونی جھگڑے جھمیلے چھوڑ کر اندرونی شانتی حاصل کر لیتا ہے۔ اب اُس کی بات چیت کا کچھ مقصد ہوتا ہے۔ اُس کے لفظوں میں طاقت ہوتی ہے۔ جب وہ خاموش رہتا ہے۔ تو اُس کی خاموشی میں بھی ویسی ہی بلکہ اُس سے بھی زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ وہ کبھی ایسی بات چیت نہیں کرتا کہ جس کا نتیجہ رنج و تکلیف ہو۔ وہ ایسا کوئی کام نہیں کرتا کہ جس کا انجام افسوسناک اور رنجیدہ ہو۔ وہ خوب سوچ سمجھ کر بات کرتا ہے۔ اُس کے کام بامقصد ہوتے ہیں۔ اُس کا ضمیر مطمئن رہتا ہے۔ اور اُس کے دن آنند سے گذرتے ہیں۔ خاموش رہنے کی مشق کر کے آزماؤ۔ اور پھر آنند کے اس راستہ پر چلنا شروع کر دو۔

گیارھواں راستہ

خِلوت (تنہائی یا ایکانت)

"اُس جواب کو جو تمہاری اندرونی خاموشی ہی دے سکتی ہے بیرونی چیزوں میں پانے کی بے فائدہ کوشش کیوں کرتے ہو۔ سورگ کا نظارا ذرا نزدیک سے دیکھنے کے لئے مصیبتیں جھیل کر دُور دراز کے پہاڑوں پر کیوں چڑھتے ہو۔ دھیان میں مصروف یوگی تو وادیوں کی گہرائی میں بیٹھا ہُوا بھی اُن ستاروں کو دوپہر کے وقت ہی دیکھ لیتا ہے کہ جو آنیوالی رات کو خوشنما بناتے ہیں۔" (ڈمسٹیر)

"ایکانت (تنہائی) میں جب اندریاں شانت رہتی ہیں تم اپنے دل میں دانائی کا خزانہ بھر لو۔ (ورڈس ورتھ)

انسان کی حقیقی زندگی تو اندر ہے جو نظر نہیں آتی۔ وہ رُوحانی ہے۔ اور اندر سے ہی طاقت پاتی ہے۔ بیرونی سامانوں سے نہیں۔ باہر کے سامان تو اُس کی طاقت کو خرچ کرنے کے راستے ہیں۔ لیکن اس طاقت کو حاصل کرنے کیلئے اندرونی خاموشی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

جس قدر انسان اس خاموشی کو نفسانی لذّتوں کے شور و غُل میں غرق کرنا چاہتا ہے۔ اور بیرونی چیزوں کے جھنجٹ میں ہی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اُتنا ہی دُکھ اور تکلیف اُٹھاتا ہے۔ جب یہ دُکھ اور تکلیف ناقابلِ برداشت ہو جاتے ہیں۔ تو پھر وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اندرونی شانتی کے قدموں میں گرتا ہے۔ اور ایکانت کے شانتی دینے والے مندر میں داخل ہوتا ہے۔

جِس طرح جسم صرف چِھلکے یا تُس کھا کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اُسی طرح رُوح

بھی صرف خواہشات کی سیری پر زندہ نہیں رہ سکتی۔ جسم کو اگر باقاعدہ خوراک نہ پہنچائی جائے تو وہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اور پھر بھوک و پیاس کی تکلیف اُٹھا کر خوراک اور پانی کے لئے چلّانے لگتا ہے۔ رُوح کا بھی یہی حال ہے۔ اُس کو بھی باقاعدہ طور پر تنہائی میں نیک اور پاک خیالات کی خوراک ملنی چاہیئے۔ ورنہ اُس کی تروتازگی و طاقت جاتی رہے گی۔ اور آخرکار وقت آنے پر رُوحانی بھوک کی تکلیف سے بلبلا اُٹھے گی۔ روشنی اور دلی تسکین کی زوردار خواہش ہی بھوکی اور پیاسی رُوح کی پُکار ہے۔ رُوحانی فاقہ کشی کا نتیجہ دُکھ اور تکلیف ہے۔ شانتی پانے کی خواہش کرنا ہی بھُوکی رُوح کی بلبلاہٹ ہے۔ انجیل میں بیان کردہ ناخلف لڑکے کی کہانی کہ جب وہ بھوک سے مرنے لگا تو پھر باپ کا گھر یاد آیا۔ رُوح کی اس حالت کو ٹھیک طور پر ظاہر کرتی ہے۔

خواہشات کی سیری میں آتما کو پوتر جیون نہیں ملتا۔ بلکہ اگر کچھ حاصل بھی کیا ہو تو وہ بھی کھویا جاتا ہے۔ خواہشات تو کبھی سیر ہو ہی نہیں سکتیں۔ ایک خواہش کے پُورا ہونے پر دُوسری اُس سے بھی زبردست آموجود ہوتی ہے اور انسان کو چین لینے نہیں دیتی۔ بیرُونی خوشی۔ بیرُونی ساز و سامان بیرُونی میل ملاپ اور کام کاج تھکاوٹ اور کمزوری پیدا کرتے ہیں۔ اُن کو دُور کرنے کے لئے تنہائی کی ضرورت ہے۔ جب جسم کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے۔ تو اُسے آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ تکان دُور ہو جائے۔ اسی طرح رُوح کی تازگی کے لئے بھی تنہائی کی ضرورت ہے۔ جس طرح انسان کے جسم کو صحت ور رکھنے کے لئے نیند کی اشد ضرورت ہے۔ ویسے ہی رُوح کی صحت کو قائم رکھنے کے لئے تنہائی لازمی ہے۔ پاک خیالات جو تنہائی میں پیدا ہوتے ہیں۔ رُوح کے لئے اُتنے ہی ضروری ہیں۔ جتنی کہ جسم کے لئے ورزش جس طرح نیند لینے اور آرام کرنے کے بغیر جسم ٹھیک نہیں رہ سکتا۔ رُوح

کی حالت بھی خاموشی اَور تنہائی کے بدون ٹھیک نہیں رہ سکتی۔ رُوحانی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان کبھی کبھی فانی چیزوں کی بیرونی دُنیا سے الگ ہوکر اندرونی تنہائی میں ابدی اور لازوال حقیقتوں تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ ورنہ وُہ اپنی پاکیزگی اور شانتی کو قائم نہ رکھ سکے گا۔ کِسی عقیدہ پر چلنے سے جو دلی تسکین حاصل ہوتی ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ وُہ عقیدہ تنہائی کی تلقین کرتا ہے۔ دِل کو یک سُو کر کے اور دنیاوی اُلجھنوں کا خیال چھوڑ کر جِس وقت مذہبی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ اس وقت انسان نادانستہ طور پر مجبوراً وہی بات کرتا ہے۔ جس کو اُس نے ابھی تک دانستہ طور پر نہیں سیکھا۔ یعنی دل کو یکسُو کر کے کبھی کبھی اندرونی خاموشی کی طرف متوجہ ہونا اور تھوڑی دیر کے لئے پاک اور مقدّس خیالات میں محو ہو جانا۔

جس شخص نے وقتاً فوقتاً تنہائی میں بیٹھ کر اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور دل کو پوِتر بنانا نہیں سیکھا۔ لیکن جس کے دل میں یہ اُمنگ پیدا ہوتی رہتی ہے کہ دنیاوی سامانوں سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ شے اُسے حاصل ہو۔ ایسا شخص مذہبی رسومات کی امداد کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنے نفس پر فتح حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتا اور تنہائی میں بیٹھ کر اپنی ادنیٰ فطرت سے جنگ کرتا ہے۔ جو پوری توجہ کے ساتھ اپنے دل کو پاک راستہ پر چلنے کیلئے مجبُور کرتا ہے۔ اُسے آپ نہ تو کسی مذہبی کتاب یا دھرم پُستک کی ضرورت رہتی ہے نہ ہی کِسی پادری۔ پروہت یا پیر کی۔ نہ کسی مندر۔ مسجد یا گرجے کی۔ کیونکہ مندر۔ مسجد اور گرجے دھرماتماؤں کے آنند لینے کے لئے نہیں۔ بلکہ گنہگاروں کو نیک بنانے اور دنیاوی گرویدگی سے اُونچا اُٹھانے کیلئے ہیں تنہائی میں بیٹھ کر انسان طاقت جمع کرتا ہے۔ تاکہ زندگی کی مشکلات اور ترغیبوں کا مقابلہ کر سکے۔ تنہائی میں ہی وُہ اُن کو سمجھنے اور اُن پر فتح پانے کے لئے گیان حاصل کرتا اور اُن سے بالاتر رہنے کے لئے دانائی اکٹھی کرتا

ہے۔ جس طرح مکان کی بنیادیں زمین کے اندر چھپی ہوئی نظر نہیں آتیں۔ تب بھی مکان انہی بنیادوں کے سہارے کھڑا ہے۔ اسی طرح انسان تنہائی میں بیٹھ کر جب خوب سوچ بچار کرتا ہے۔ جسے کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ تب بھی اُسی کی برکت سے اُس کی طاقت اور شانتی قائم رہتی ہے۔

اِنسان ایکانت میں ہی اپنے آپ کو پہچاننے کے قابل بنتا اور اپنی اصلیت کو سمجھتا ہے۔ وہ اپنی طاقت اور اندرونی قابلیت کا اندازہ لگاتا ہے۔ ورنہ دُنیا کے شور و غُل اور جھگڑے جھمیلوں۔ اور خواہش کی کشمکش میں آتما کی آواز سُنائی نہیں دیتی۔ بس کوئی شخص بھی تنہائی کے بغیر رُوحانی ترقی نہیں کر سکتا

ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے اعمال کی پوُری پوُری پڑتال کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اور اپنی اندرونی تصویر کو پوُرے طور پر تصوّر میں لانے سے خوف کھاتے ہیں۔ وہ ڈرتے ہیں کہ اُنہیں جب تنہائی میں اپنے ہی خیالات کے ساتھ اکیلا رہنا پڑتا ہے تو وہاں اُن کی خواہشوں کا بھوت اُن کی اندرونی نگاہ کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ایسی ہی جگہوں میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ جہاں عیش و عشرت کے باجے زور شور سے بج رہے ہوں۔ جن سے سچّائی کی متنبّہ کرنے والی آواز دبی رہتی ہے۔ لیکن جو شخص سچائی کو پیار کرتا ہے۔ جو دانائی کی تلاش میں لگا ہوُا ہے۔ وہ عموماً تنہائی پسند ہوتا ہے۔ وہ اپنی اندرونی حالت کو پورے طور سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور کھیل کوُد اور شور و غُل سے دُور بھاگتا ہے وہ وہاں جانا چاہتا ہے۔ جہاں پر سچّائی کی شیریں اور نرم آواز اپنے اندر سُن سکے لوگ عموماً میل جول پیدا کرنے کے لئے دوسروں کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور عیش کرنے کے نئے نئے سامان تلاش کرتے ہیں۔ لیکن وہ اصلی شانتی سے ناواقف رہ کر عیش و آرام کے لئے بھٹکتے پھرتے ہیں۔ مگر اُنہیں اصلی آرام نہیں ملتا۔ وہ قسم قسم کے دل بہلاؤ کے سامان اکٹھے کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اُن کی بے چینی اور بھڑکاوٹ بجائے کم ہونے کے زیادہ سے

زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔ اس لئے وہ بے چینی کی موت کے چنگل سے بچ نہیں سکتے
زندگی کے سمندر پر خواہشات کی سیری کی تلاش میں بہتے ہوئے لوگ طوفان
میں پھنس جاتے ہیں۔ پھر وہ بہت سے جھکولے کھا کر تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت
کر کے سلامتی کی اُس چٹان کی طرف بھاگتے ہیں۔ جو خود اُن کی اپنی ہی ہستی کی
گہری خاموشی میں موجود ہے۔

جب تک انسان دنیاوی جھگڑے جھمیلوں میں ہی لگا رہتا ہے۔ وہ اپنی
طاقتوں کو زائل کر کے روحانی پہلو میں کمزور ہو جاتا ہے۔ اسلئے روحانی طاقت
کو از سرِ نو حاصل کرنے کے لئے اُسے تنہائی میں جا کر غور کرنے کی ضرورت ہے
اور ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ اس پہلو میں غفلت کرنے سے زندگی کا
اصلی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کچھ ہو بھی جاتا ہے تو وہ جلدی ہی کھویا
جاتا ہے۔ وہ باریک، اور دل کے پوشیدہ گناہوں کو نہ تو سمجھ سکتا ہے۔ اور نہ
اُن پر غالب آ سکتا ہے۔ اُسے یہ گناہ گناہ ہی معلوم نہیں ہوتے۔ بلکہ نیکی دکھائی
دیتے ہیں۔ حقیقی دھرماتماؤں کے سوائے بہت لوگ دھوکہ کھا کر انکا شکار
بنتے رہتے ہیں۔

"سچی عظمت اُس شخص میں ہوتی ہے۔ جو دلی انکساری کے ساتھ خاموشی
میں بیٹھا ہوا اپنے اندرونی خیالات کی جانچ پڑتال کرتا ہوا۔ اپنے پر شک و شبہ
بھی کرتا رہتا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی عزّت بھی کرتا ہے۔ یعنی وہ اپنے دل
کی کمزوریوں کو شک و شبہ کی نگاہ سے بھی دیکھتا رہتا ہے۔ کہ کہیں یہ مجھے گناہ
کی طرف نہ لے جائیں۔ اور دوسری طرف وہ یہ بھروسہ بھی رکھتا ہے کہ میں
ان پر غالب آ کر ہی رہوں گا۔"

جو شخص ہمیشہ ہی خواہشات کی سیری میں لگا رہتا ہے۔ وہ ناامیدی
اور رنج میں پڑا رہتا ہے۔ کیونکہ جہاں پر عیش و عشرت کے باجے زور شور
سے بج رہے ہوں۔ وہاں روحانی زندگی کہاں! جس شخص نے اپنی ساری

زندگی دنیاوی دھندوں کی جھنجھٹوں میں ہی بسر کی ہے۔ اور صرف بیرونی چیزوں کے تبدیلی پذیر نظاروں سے مطلب رکھا ہے۔ جس نے کبھی بھی تنہائی میں بیٹھ کر اپنی زندگی کے اصلی اور قائم رہنے والے مقصد پر غور نہیں کیا ایسا شخص کبھی بھی سچا گیان اور حقیقی دانائی حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ اُنسے بالکل ہی محروم رہتا ہے۔ وہ دُنیا کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتا۔ اور اُس کی ترقی میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ کیونکہ وہ کچھ دے ہی نہیں سکتا۔ اُس کا رُوحانی ذخیرہ بالکل خالی ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص اس لئے تنہائی کا خواہشمند رہتا ہے۔ کہ وہ سچائی کی تلاش کر سکے۔ جو اپنی اِندریوں اور خواہشات کو مغلوب کرتا ہے۔ وہ ہر روز گیان اور دانائی جمع کر رہا ہے۔ وہ سچائی سے بھرپور ہو جاتا ہے۔ وہ دُنیا کو بہتر بنانے میں مدد کر سکتا ہے۔ کیونکہ اُس کا رُوحانی ذخیرہ بھرا ہُوا اور ہر وقت بھرپور رہتا ہے۔

جب انسان اندرونی صداقتوں پر غور کرنے میں محو ہوتا ہے۔ اس وقت وہ گیان اور طاقت حاصل کرتا ہے۔ وہ دل کو عالمگیر سچائی کی روشنی پانے کے لئے ایک پھول کی طرح کھلا رہتا ہے۔ اُس کی زندگی بخش شعاعوں کو اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ وہ گیان کے ہمیشہ جاری رہنے والے چشمہ کے پاس پہنچتا ہے۔ اُس کے دل کو اُبھارنے والے جل سے اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ ایسا شخص تنہائی میں یکسو ہو کر ایک گھنٹہ میں سچائی کا جتنا گیان حاصل کر لیتا ہے۔ اتنا ہی گیان سال بھر کتابیں پڑھنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ جیون اننت ہے۔ گیان اپار ہے۔ اُس کی کوئی حد نہیں۔ اُس کا سروت (چشمہ) اٹوٹ (ختم نہ ہونے والا) ہے۔ جو شخص اپنی رُوح کی گہرائی تک پہنچتا ہے۔ وہ ہی شُدھ گیان کے چشمہ سے آب حیات پیتا ہے۔

گیانی پُرش وہی ہوتا ہے۔ جو زندگی کی گہری سچائیوں کے ساتھ لگاتار ملاپ رکھتا ہے۔ اور آب حیات کے اٹوٹ چشمہ سے امرت پیتا رہتا ہے۔

گیان کا سروت ختم نہیں ہو سکتا - کیونکہ وہ عالمگیر حقیقی چشمہ سے نکل رہا ہے اس لئے دانائی کے کام ہمیشہ نئے اور تازہ ہوتے ہیں - گیانی شخص جتنا زیادہ گیان دوسروں کو دیتا ہے - اُتنا ہی خود بھی ترقی کرتا جاتا ہے - اُس کے کام پورے ہونے پر اُس کا دل و دماغ بھی ترقی کرتا ہے - اور اُس کی طاقت کی حدود زیادہ وسیع ہوتی جاتی ہیں - وہ پرماتما کی غیبی آواز کو سُنتا ہے - اور اُس کے لئے محدود اور لامحدود کا کوئی فرق نہیں رہتا - اُسے کسی بیرونی امداد کی ضرورت نہیں رہتی - وہ اُس عالمگیر چشمہ سے جو ہر ایک نیکی کا منبع ہے جڑا ہوا ہے - گیانی شخص اور ایک معمولی شخص میں یہ فرق ہے کہ گیانی تو اندرونی سچائیوں میں مگن رہتا ہے - اور معمولی شخص بیرونی دکھلاوے کی زندگی میں ہی محو رہتا ہے - اور جسمانی خوشیوں کے پیچھے بھاگتا ہے - گیانی گیان کا متلاشی رہتا ہے -

معمولی شخص کتابوں کا سہارا لیتا ہے - اور گیانی اپنی ہستی پر بھروسہ کرتا ہے - کتابی علم وہاں تک ہی اچھا ہے - جہاں تک اُس کی ضرورت ہے کتابیں دانائی کا چشمہ نہیں ہیں - دانائی کا چشمہ تو خود زندگی میں ہی ہے - جو کوشش - مشق اور تجربہ سے حاصل ہوتا ہے - کتابیں واقفیت ضرور ہم پہنچاتی ہیں - لیکن وہ گیان نہیں دے سکتیں - وہ ہماری رفتار کو تیز کر سکتی ہیں - لیکن وہ گیان پراپت نہیں کرا سکتیں - گیان تو اپنی ہی کوشش سے حاصل ہو سکتا ہے - وہ شخص جو صرف کتابوں پر ہی بھروسہ رکھتا ہے اور اپنے اندر غوطہ لگا کر نہیں دیکھتا - اُس کی زندگی صرف بیرونی ہے - اور اُس کا ذخیرہ جلدی ختم ہو جاتا ہے - اُسے اندرونی روشنی نہیں ملتی - بیرونی طور پر خواہ وہ کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو - تاہم اُس کی کتابی واقفیت کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے - اور وہ خالی ہاتھ رہ کر بار بار کتابی تاویلیں ہی گھڑتا رہتا ہے - اُس کے کاموں میں زندگی کی نشو و نما کی مٹھاس اور پاکیزگی

کی تروتازگی نہیں رہتی - ایسا شخص اپنے آپ کو لامحدود دھنڈار سے الگ کر لیتا ہے - وہ زندہ سچائیوں کو چھوڑ کر مُردہ اور بوسیدہ طریقوں کی طرف بھاگتا ہے - کتابی واقفیّت محدود ہوتی ہے - اور گیان لامحدود ہے -

دانائی اور بزرگی تنہائی میں ہی پرورش اور نشوونما پاتی اور تکمیل کو پہنچتی ہیں - معمولی سے معمولی انسان بھی جب کسی اعلیٰ مقصد کو اپنے سامنے رکھ لیتا ہے - اور اپنی تمام طاقت اور قوتِ ارادی کو جمع کر کے تنہائی میں اُس مقصد پر سوچتا اور غور کرتا ہے - تو وہ کامیاب ہو کر روشن دماغ ہو جاتا ہے - جو شخص دنیاوی خوشیوں کو چھوڑ دیتا ہے - جو ہر دل عزیزی اور شہرت کی پرواہ نہیں کرتا - جو گمنامی میں رہ کر بھی کام کرتا رہتا ہے - اور نوعِ انسان کی بھلائی کے کسی اعلیٰ مقصد کو پورا کرنے کیلئے تنہائی میں بیٹھکر غور وخوض کرتا رہتا ہے - وہ مہاتما سدّھ - پیر یا پیغمبر بن جاتا ہے - جو شخص خاموش رہ کر اپنے دل کو میٹھا بناتا ہے - جو اپنے دل کی تار کو پاکیزگی - خوبصورتی اور نیکی کے ساتھ جوڑ دیتا ہے - اور دیر تک تنہائی میں رہ کر اصلیت کو معلوم کرنے میں لگا رہتا ہے - وہ آتما کے اندرونی سُریلے راگ سے اپنا سُر ملا لیتا اور عالمگیر راگ کا خیر مقدم کرنے کے لئے اپنے دل کے کواڑ کھول دیتا ہے - وہ آخر کار پرماتما کا ہی راگ گانے لگتا ہے - سب ہی بزرگوں کا یہی حال ہوتا ہے - بزرگی تنہائی کا بچہ ہے - جو بہت ہی سرل دل اور خوب صورت ہے - جس کی آنکھیں کھُلی ہوئی اور جس کے کان سُننے کے لئے تیار ہیں - مگر پھر بھی دُنیا کے شور و غل میں پھنسے ہوئے لوگ ایسے بچے کو نہ دیکھ سکتے ہیں - اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں - خاموشی کی کھڑکی کے اندر سے کہ جس پر سخت پہرہ لگا رہتا ہے - کسی کسی کو کبھی کبھی اس کی جھلک دکھائی دیجاتی ہے -

" انسانی ہستی کے اندر ہی دھُندلی روشنی میں بڑی بڑی اُمیدیں

تصوّرات وخیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں - اور اسی ختم نہ ہونے والے دائرہ کے اندر زندگی چکّر کاٹتی رہتی ہے؛"

کہا جاتا ہے کہ سینٹ پال سخت متعصّب اور دیگر مذاہب پر سخت حملے کرنے والا تھا - وہ تین سال تک جنگل اور تنہائی میں بسر کرنے کے بعد ایک نہایت رحمدل اور محبت کا فرشتہ بن گیا - راجکمار گوتم سدھارتھ دُنیا کے عیش و عشرت میں پلا ہُوا چھ سال تک جنگل میں اپنے جذبات سے سخت جد و جہد کر کے اور اپنی فطرت کی گہرائیوں پر غور و خوض میں لگا رہ کر آخر کار شانتی اور دانائی کا مجسّمہ بُدّھ بن گیا جس کی طرف دُنیا کی نڑپتی ہوئی روحیں شانتی کا امرت جل پینے کے لئے رجوع ہونے لگیں لاؤذی (چین کا مہاتما) ایک معمولی دنیا دار تھا - اُس نے گیان کی تلاش میں تنہائی اختیار کی اور جہاں اُس نے پرماتما کو لابھ کیا - وہاں وہ دُنیا کا تعلیم دہندہ رہبر بھی بن گیا - مسیح جو ایک اَن پڑھ بڑھئی تھا - برسوں پہاڑوں پر تنہائی میں رہ کر اور پرماتما کے پریم اور گیان میں مستغرق ہو کر نوعِ انسان کا نجات دہندہ بن گیا - (گرونانک جنگل اور شمشان میں رہے اور واہ گرو کے دیوانے بھگت بن گئے) یہ سارے مہاپُرش سُورگی گیان کی اُونچی چوٹیوں پر چڑھنے کے بعد بھی عموماً اکیلے رہا کرتے تھے - اور اکثر تھوڑی دیر کے لئے تنہائی میں چلے جاتے تھے - مہاپُرش سے مہاپُرش بھی اگر اپنی اندرونی شکتی کو لگاتار بڑھانے اور تر و تازہ رکھنے کے لئے تنہائی میں نہ جائیں - تو وہ اپنی رُوحانی بلندی سے گر جاتے اور اپنے اخلاقی اثر کو کھو بیٹھتے ہیں - اِن مہاپُرشوں نے اپنے خیالات اور زندگیوں کو اپنی اندرونی شکتی کے ساتھ جوڑ کر اور اپنی شخصیت اور اپنی مرضی کو پرماتما کی مرضی کے تابع کر کے لاثانی روحانیت حاصل کی اور عالمگیر ترقی کی نشو و نما میں سب سے اعلیٰ بن گئے؀

جو راضی ہوا دل رضا پہ ہی تیری — وہی رنگ رنگا پھر جو تو نے لگایا
ہے گمراہ جس دل میں باقی خودی ہے — ملا تجھ سے جس نے خودی کو گنوایا

مہاپرشوں کی ترقی کوئی معجزہ یا کرامات نہیں ہے۔ بلکہ قانونِ قدرت کا ہی ایک اصول ہے۔ اس میں کوئی بھید نہیں ہے۔ بھید تو قانون کے سمجھنے میں ہے۔ عالمگیر سچائی اور نیکی کے تابع ہو جانے سے ہر ایک انسان ایسا بن سکتا ہے۔ ہر ایک شاعر (کوی)۔ مصوّر۔ سنت اور سادھو۔ پرماتما کا قاصد ہے۔ اور اس پیغام کی نوعیت قاصد کے خود غرضی سے پاک ہونے کے پیمانہ کے مطابق کم و بیش ہوتی ہے۔ جتنی خود غرضی زیادہ ہوتی ہے۔ اُتنا ہی وہ کام یا پیغام دھندلا ہو جاتا ہے۔ خود غرضی سے کامل طور پر پاک ہونا روشن دماغی کی کنجی اور طاقت کا خزانہ ہے۔

ایسا مکمل بے غرضانہ پن (نشکام بھاؤ) تنہائی میں ہی شروع ہوتا بڑھتا اور تکمیل کو پہنچتا ہے۔ اگر کوئی شخص دنیاوی دھندوں میں ہی لگا رہے تو وہ نہ تو اپنی رُوحانی طاقتوں کو اکٹھا کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی اُن کو کسی ایک نقطہ پر قائم کر سکتا ہے۔ گو رُوحانی طاقت کے حاصل ہو جانے پر تمام حالات میں یہاں تک کہ دُنیا کے شور و غُل میں بھی دل ڈانوا ڈول نہیں ہو سکتا۔ مگر ایسی رُوحانی طاقت سالہا سال تک بار بار اور لگاتار ایکانت کا سادھن کرنے سے آتی ہے۔

انسان کا اصلی مقام تو ایکانت اور مون ہی ہے۔ اس کے اندر جس قدر اصلیت یا سار پدارتھ ہے۔ اُس کا منبع بھی وہی ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اُس کی موجودہ فطرت دو طرح کی ہے۔ اس لئے بیرونی کاموں میں لگاؤ بھی ضروری ہے۔ اس دُنیا میں رہتے ہوئے نہ تو صرف تنہائی ہی درست ہے۔ اور نہ ہی پوری مصروفیت بلکہ اصلی زندگی تو یہ ہے کہ انسان تنہائی میں طاقت اور دانائی جمع کرتا رہے اور پھر دنیاوی کاموں کو قابلیت

کے ساتھ انجام دینے میں اُن کو خرچ کرے۔ جس طرح پر ایک انسان کام سے بارا تھکا شام کو گھر واپس آکر آرام کرنے سے دوسرے دن کے کام کے لئے تر و تازہ ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح پر جو انسان زندگی کے کام دھندوں سے پس جانا نہیں چاہتا اُسے چاہیئے کہ وہ دنیا کے کارخانہ کے شور و غُل اور محنت و مشقّت سے نکلکر تھوڑے وقت کے لئے تنہائی اور خاموشی کے مندر میں بشرام کرے۔ جو شخص اس طور پر دن کا کچھ حصّہ پاک اور بامقصد خاموش تنہائی میں خرچ کرتا ہے اُسکی زندگی طاقتور کارآمد اور مبارک ہو جاتی ہے۔

تنہائی روحانی طاقت رکھنے والوں کے لئے ہے۔ یا اُن کے لئے ہے۔ جو رُوحانی طاقت حاصل کرنے کے لئے کمربستہ ہیں۔ جوں جوں انسان بزرگی حاصل کرتا جاتا ہے۔ توں توں وہ تنہائی پسند ہوتا جاتا ہے۔ وہ تلاش کے لئے ایکانت میں جاتا ہے۔ اور جس کی تلاش میں جاتا ہے اُسے پا لیتا ہے۔ کیونکہ گیان، دانائی سچّائی اور طاقت کے لئے راستہ کھُلا ہُوا ہے۔ یہ راستہ تو ہمیشہ ہی کھُلا رہتا ہے۔ لیکن یہ راستہ انسانی زندگی کی سنسان تنہائی اور نامعلوم خاموشی میں سے ہو کر گذرتا ہے۔

"اے انسان کبھی کبھی تنہائی میں جا کر دیکھ! قدرت کے راز کھُلے ہوئے نظر آئیں گے"۔

بارھواں راستہ

خود اعتمادی (اپنے اُوپر بھروسہ رکھنا)

بے کھٹکے اکیلے رہو۔ اپنی عزّت آپ کرو۔ دیکھو تمہاری رُوح کی حالت کیا ہے۔ (جارج ہربرٹ)

جس کا دل نور سے منوّر ہے۔ وہ دل کے مرکز میں بیٹھ کر دن کی روشنی کا لُطف لے سکتا ہے۔ (ملٹن)

آنند جیون کے لئے اپنے آپ پر بھروسہ رکھنا نہایت ضروری ہے شانتی کے لئے شکتی اور سلامتی کے لئے استقلال چاہیئے۔ اگر تم مستقل خوشی چاہتے ہو۔ تو ایسی چیزوں کا سہارا نہ لو جو کسی وقت بھی تم سے چھین لی جا سکیں۔

جب تک انسان اپنے اندر کے اُس مستقل مرکز کو حاصل نہیں کر لیتا جس پر کہ وہ ٹھہر سکے۔ زندگی کو چلا سکے اور جس سے اُسے شانتی مل سکے۔ تب تک وہ اصلی زندگی شروع نہیں کرتا۔ اگر وہ تبدیلی پذیر چیزوں پر بھروسہ رکھتا ہے۔ تو اُس کی زندگی بھی ڈانواڈول رہے گی۔ اگر وہ ایسی چیزوں کے سہارے کھڑا ہے جو ہٹائی جا سکتی ہیں۔ تو وہ گر پڑتا ہے۔ اور اُسے چوٹ لگتی ہے۔ اگر وہ فانی چیزوں میں ہی تسلی ڈھونڈتا ہے تو اُس کے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ سچی خوشی سے محروم رہتا ہے۔

انسان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھنا چاہیئے۔ وہ نہ تو دوسروں کا آسرا لے۔ اور نہ کسی کی رُو رعایت کا خواہشمند ہو۔ نہ ذاتی فوقیّت کی ہوس رکھے۔ نہ تو مانگے نہ ہی شکایت کرے۔ نہ خواہش رکھے۔ نہ افسوس کرے۔ بلکہ اپنی اندرونی سچائی کا سہارا لے کر اپنے دل کی راست بازی میں ہی تسلّی۔ شانتی

اور چین حاصل کرے۔

اگر انسان کو اپنے اندر ہی شانتی نہ ملی تو پھر اور کہاں ملے گی؟ اگر وہ اپنے ساتھ اکیلا رہنے سے ڈرتا ہے۔ تو پھر اُسے بیرونی ساتھیوں کی سنگت سے کیا لابھ ہوگا۔ اگر وہ اپنے ہی خیالات کی دُنیا میں رہ کر خوشی حاصل نہیں کر سکتا۔ تو دوسروں کے تعلق میں آکر تکلیف اور مصیبت سے کیسے بچ سکے گا۔ جس انسان کو ابھی تک اپنے اندر ہی کھڑا رہ سکنے کی جگہ نہیں ملی۔ تو پھر اُسے اور کہاں آرام کی جگہ ملے گی؟

سب ہی لوگ اس وہم میں پڑے رہتے ہیں کہ اُن کی خوشی دوسرے لوگوں اور بیرونی چیزوں پر منحصر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہی نا اُمیدی رنج وغم اور افسوس میں پڑے رہتے ہیں۔ جو شخص یہ یقین کرتا ہے کہ اُس کی خوشی دُوسرے لوگوں یا بیرونی چیزوں پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ وہ اُس کا اٹوٹ سروت اپنے ہی اندر پاتا ہے تو پھر تمام حالات کے اندر بھی شانت رہتا ہے۔ اور رنج وغم کا شکار نہیں بنتا۔ لیکن جو شخص دوسروں پر ہی سہارا رکھتا ہے۔ اور دوسروں کے سلوک اور برتاؤ پر ہی اپنی خوشی کا دار و مدار سمجھتا ہے۔ وہ اپنی شانتی کے لئے دوسروں کی امداد ضروری سمجھتا ہے۔ ایسے آدمی کا کوئی رُوحانی ٹھکانا نہیں ہے اُس کا دل بیرونی حالات کی لگاتار تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر جھکولے کھاتا رہتا ہے۔ وہ بے چینی و مصیبت کے بھنور میں لگاتار پھنسا رہتا ہے۔ وہ رُوحانی لحاظ سے لنگڑا ہے اور ابھی اُسے یہ سیکھنا ہے کہ اپنے رُوحانی مرکز ثقل کو کیونکر قائم رکھے تاکہ وہ بساکھیوں (وہ لکڑیاں کہ جن کے سہارے لنگڑے چلتے ہیں) کے سہارے بغیر چل سکے۔

جس طرح پر ایک بچّہ دوسروں کی مدد کے بغیر اپنی طاقت کے سہارے چلنا پھرنا سیکھتا ہے۔ اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ اپنے رُوحانی پیروں پہ کھڑا

ہونا سیکھے۔ یعنی خود غور کرنا۔ جانچنا اور کام کرنا سیکھے۔ اور اپنے دل کی طاقت کے ذریعہ ہی اُس راستہ کو چُنے کہ جس پر وہ چلنا چاہتا ہے۔

بیرونی دُنیا میں تبدیلی تباہی اور خطرہ ہے۔ اور اپنے اندر کی دُنیا میں سلامتی اور آنند ہے۔ آتما خود ہی مکمّل ہے۔ جہاں اُسے ضرورت پڑتی ہے۔ وہاں کافی ذخیرہ موجود ہے۔ تمہارے رہنے کی اصلی جگہ تمہارے اندر ہی ہے۔ وہاں جاکر اپنے رہنے کی جگہ پر قبضہ کرو۔ وہاں پر تم خود حاکم ہو۔ مگر دوسری جگہ تم محکوم ہو اس بات کی پرواہ نہ کرو کہ دوسرے لوگ اپنا انتظام بھلے طریق پر کرتے ہیں۔ یا بُرے طور سے۔ بلکہ یہ خیال رکھو کہ تم اپنے دل کی سلطنت پر درُست طور پر حکومت کرتے ہو یا نہیں۔ تمہاری اپنی اور کُل دُنیا کی بھلائی اسی میں ہے کہ تم اپنی ضمیر کی پیروی کرو۔ اپنے دل کو پاک رکھو۔ اپنی سمجھ بوجھ کو کام میں لاکر اُسے ترقی دو۔ اپنی قوتِ ارادی کو استعمال کرکے اُسے مضبوط بناؤ۔ اپنے گیان کو بڑھاؤ۔ اپنی اندرونی رُوحانی روشنی کی حفاظت کرو۔ اُسے جذبات کے جھکّھڑوں سے بچا کر روز بروز زیادہ سے زیادہ تیز کرتے جاؤ۔ دنیاوی جھگڑے جھمیلوں کو چھوڑ کر اپنے دل میں غوطہ لگاؤ۔ انسان کی طرح سوچو۔ انسان کی طرح کام کرو انسان کی طرح زندگی بسر کرو۔ نہ کہ حیوانوں کی طرح۔ اپنے مالک آپ بنو۔ تمہارے اندر جو مستقل مرکز ہے اُس کو معلوم کرکے جس طرح یہ ہماری زمین سورج کو اپنا مرکز بناتے ہوئے اُس کے گرد گھومتی ہے۔ اُسی طرح تمہارے اندر جو روشنی کا مرکز ہے۔ تم بھی اُسے ہی مدِ نظر رکھکر چلو۔ اگر دوسرے لوگ تمہاری روشنی کو تاریکی بتلائیں تو بتلانے دو۔ تم اُن کی پرواہ نہ کرو۔ تم تو صرف اپنے لئے جواب دہ ہو۔ اپنے افعال کے ذمہ دار ہو۔ اس لئے اپنے آپ پر بشواس کرو۔ اگر تمہیں خود ہی اپنے اُوپر اعتبار نہیں تو دوسرے لوگ تمہارا اعتبار کیونکر کریں گے۔ اگر تم خود ہی اپنے لئے سچّے نہیں ہو تو تمہیں سچّائی کی میٹھی تسلّی اور کہاں سے ملے گی۔

مہاپُرش اپنی ہی شخصیّت کی طاقت پر اکیلا کھڑا رہتا ہے۔ وہ اپنا راستہ

بے خوفی سے طے کرتا ہے۔ وہ دوسروں سے فضول درگذر نہیں چاہتا۔ وہ نہ اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ نہ مذمّت سے رنجیدہ۔ وہ دونوں کو ہی اُس دھُول کی طرح سمجھتا ہے کہ جو راہ چلتے کپڑوں پر پڑ جاتی ہے۔ اور فوراً ہی جھاڑی جا سکتی ہے۔ وہ لوگوں کی بدلتی رہنے والی رائے کے مطابق اپنا راستہ طے نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے دل کی روشنی کو ہی اپنا رہنما بناتا ہے۔ دوسرے لوگ عموماً اپنی خوشامدانہ تعریف یا فلیٹن کے بدلے میں اپنی شخصیّت کو بیچ ڈالتے ہیں۔

جب تک تم اکیلے کھڑے نہیں رہ سکتے۔ اپنی رہنمائی کے لئے دیوتاؤں (فرشتوں) اور انسانوں سے مدد مانگتے ہو۔ اپنی اندرونی روشنی کے ذریعہ اپنی رہنمائی خود نہیں کرتے۔ تب تک تم آزاد نہیں ہو سکتے۔ نہ ہی بندھنوں سے چھُوٹ سکتے ہو۔ نہ ہی آنند لابھ کر سکتے ہو۔ یہ بھی خیال رکھو کہ کہیں تکبّر کو خود اعتمادی نہ سمجھ بیٹھو۔ غرور کی ڈانوا ڈول بنیادوں پر کھڑا ہونا گر پڑنے کا مترادف (برابر) ہے۔ کیونکہ مغرور آدمی سے بڑھ کر دُوسروں کا محتاج اور کوئی نہیں ہوتا۔ وہ تو دُوسروں کی تعریف پر ہی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور دوسروں سے اپنی بدگوئی سن کر مرجھا جاتا ہے۔ وہ جھوٹی خوشامد کو بے عیب سمجھ لیتا اور دوسروں کی رائے سے جلد جلد کبھی خوش اور کبھی رنجیدہ ہوتا رہتا ہے اُس کی خوشی تو بالکل دوسروں کی مُٹھّی میں ہوتی ہے۔ لیکن اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے والا آدمی اپنے نفسانی تکبّر پر کھڑا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ایک اٹل قانون کے معراج (آدرش) اور اپنی اندرونی سچّائی پر کھڑا ہے۔ جب وہ اس پر مضبوطی سے کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو وہ اندرونی جذبات کی لہروں یا بیرونی تعریف یا مذّمت کے طوفان میں اپنی جگہ سے نہیں ہلتا اور خدانخواستہ اگر کبھی اُس کا پاؤں پھسل بھی جائے تو جھٹ سنبھل جاتا ہے۔ اُس کی خوشی بالکل اُس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ تم اپنے دل کی ترازو کا مرکز تلاش کرو اور اُس پر اکیلے قائم ہو جاؤ۔ پھر تمہاری زندگی کا خواہ کچھ بھی کام ہو۔ تم ضرور کامیاب ہو جاؤ

گے۔ تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو اُسے پُورا کر سکو گے۔ کیونکہ اپنے اُوپر بھروسہ رکھنے والا شخص ناقابلِ شکست ہوتا ہے۔ گو تم دوسروں کا سہارا نہیں لیتے لیکن اُن سے کچھ سیکھتے ضرور ہو۔ اپنا گیان بڑھانے میں کبھی کوتاہی نہ کرو۔ سچّائی و نیکی کو قبول کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہو۔ انکساری بہت اچھا وصف ہے۔ اپنے اُوپر بھروسہ رکھنے والے انسان بہت ہی مُنکسر مزاج اور حلیم ہوتے ہیں کوئی امیر یا راجہ مہاراجہ بھی کسی سادھو کی خودداری کو نہیں پہنچ سکتا۔ مہاپُرش اتنا حلیم الطبع کیوں ہوتا ہے؟ وہ جانتا ہے کہ میرے اندر جو رُوحانی عظمت ہے اُسی کی وجہ سے مَیں مُنکسر ہو سکتا ہوں۔ سب لوگوں سے سبق لو۔ خاص کر مہا پُرشوں سے۔ لیکن اس صداقت کو ہرگز نظرانداز نہ کرو کہ تم کو رہنمائی آخرکار اپنے اندر سے ہی ملے گی۔ کہیں باہر سے نہیں۔ گرُو یہ بتلا سکتا ہے کہ "راستہ یہ ہے"۔ لیکن وہ تمہیں اُس پر چلنے کے لئے نہ مجبور کر سکتا ہے اور نہ تمہاری بجائے چل سکتا ہے۔ تم خود کوشش کرو۔ اپنی طاقت سے اُسے حاصل کرو۔ گرُو کی بتلائی ہوئی سچّائی کو خود اپنی کوشش سے اپنی بناؤ۔ اپنے اُوپر پُورا بھروسہ رکھو "اپنی طاقت سے انسان بنا۔ اپنی رُوحانی شکتی سے عظمت حاصل کرنا اور روشنی سے پُر زندگی بسر کرنا فرشتہ سیرتی یا دیوتاپن ہے"۔

تم اپنے مالک بنو۔ اپنے حاکم بنو۔ دوسروں کا نہ تو سہارا لو اور نہ ہی اُن کی نقل کرنا سیکھو۔ بلکہ اپنے آپ کو کائنات کا ایک ضروری پُرزہ سمجھ کر کام کرو۔ دوسروں سے پریم کرو۔ مگر دوسروں کے پریم کے محتاج نہ بنو۔ دوسروں کی مدد کرو۔ لیکن کسی سے مدد کی اُمید نہ رکھو۔ دُوسروں سے ہمدردی کرو۔ لیکن خود ہمدردی حاصل کرنے کی خواہش نہ رکھو۔

اگر لوگ تمہارے کام کو بُرا بتلاتے ہیں تو پرواہ نہ کرو۔ صرف یہی کافی ہے کہ تمہارا کام سچّائی کا پہلو لئے ہوئے ہو اور بس۔ یہ سوال اپنے دل میں آنے ہی نہ دو "کیا میرے کام سے دوسرے لوگ خوش ہوں گے"۔ بلکہ یہ

پوچھو "کیا میرا کام سچّا اور ٹھیک ہے"۔ اگر تمہارا کام سچّائی پر مبنی ہے۔ تو
کسی کی نکتہ چینی اُسے بگاڑ نہیں سکتی۔ اور اگر وہ غلط ہے تو دوسروں کی نکتہ چینی
کے بغیر ہی اُس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سچّائی کے قول اور فعل جب تک اُنکا مقصد
پورا نہ ہو جائے ضائع نہیں ہو سکتے۔ لیکن غلط قول اور فعل قائم نہیں رہ سکتے
کیونکہ اُن کا کوئی مقصد ہی نہیں ہوتا۔ نکتہ چینی اور ناراضگی دونوں ہی فضول
ہیں۔

پہلے تُم دوسروں کا سہارا لینے کی خود قبول کردہ غلامی سے اپنے آپکو
آزاد کرو۔ کِسی ناقص جُنزو کی طرح نہیں۔ بلکہ ایک قابلِ قدر پُرزہ کی طرح اپنی
ہمّت سے اکیلے کھڑے رہو۔ خود حاصل کردہ آزادی سے جو خوشی پیدا ہوتی
ہے۔ خود اعتمادی سے جو شانتی حاصل ہوتی ہے۔ اور اندرونی طاقت
سے جو آنند ملتا ہے اُسے معلوم کرو۔

"وہ شخص قابلِ عزّت ہے۔ جو پیدائش سے لے کر موت تک اپنا
راستہ آپ تیار کرتا ہے۔ لوگ اُس کے متعلق کیا خیال کرتے یا کہتے ہیں۔ وہ
اُس کی مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ کِسی قسم کا شک پیدا ہونے پر صرف اپنی رُوح
سے ہی راستہ کا پتہ پوچھتا ہے"۔

تیرھواں راستہ

زندگی کے سیدھے سادے اصولوں کا سمجھنا

بہت غور سے سچائی کی پڑتال کرو۔ اور دیکھو کہ اُس کا نکاس کہاں پر ہے۔ اور پھر تم یہ معلوم کرلوگے کہ اُس کا منبع اور نکاس تمہارے اندر ہی ہے

(براؤننگ)

جواہرات کے مقابلہ میں اٹل قانون کا خزانہ بہت بیش قیمت ہے۔ اُس کی مٹھاس شہد سے میٹھی اور اُس کا آنند ناقابلِ بیان اور لاثانی ہے۔

(دی لائیٹ آف ایشیا)

رُوحانی مسافر اُن راستوں پر چلتا ہؤا جو اَب تک بیان ہو چکے ہیں۔ اُن کی آرام گاہوں میں آرام پاتا ہؤا۔ اُن کے رس کا آنند لیتا ہؤا۔ وقتِ مناسب پر زندگی کی شاہراہ کے اُس مقام پر پہنچ جائے گا۔ جہاں اُس کا آخری بوجھ اُس کے کندھوں سے اُتر جائے گا۔ اُس کی ساری تھکان دُور ہو جائے گی۔ آزادی حاصل ہو گی۔ اور وہ دائمی خوشی میں آرام کرے گا۔ ان سب رُوحانی آرام گاہوں میں سب سے افضل آرام گاہ وہ ہے جس کی سُرخی اُوپر درج ہے۔ یعنی زندگی کے سیدھے سادے اصولوں کا درست طور پر سمجھنا۔ جو انسان اس آرام گاہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اُس کے سارے شک و شبہے۔ ساری کمیاں۔ سارے دُکھ اور درد دُور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ شانتی۔ گیان۔ روشنی اور آنند میں رہنے لگ جاتا ہے۔ جو انسان زندگی کی پوری سادگی کو سمجھ لیتا ہے اور اُس کے اصولوں کی پیروی کرتا ہے۔ خود غرضی کی تنگ و تاریک اور پیچیدہ گلیوں میں جانے سے پرہیز کرتا ہے۔ وہ اُس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ جہاں اُسے کوئی

نقصان نہیں پہنچا سکتا - کوئی دُشمن اُسے گرا نہیں سکتا - وہ نہ تو شک کرتا ہے نہ خواہشوں کا غلام رہتا ہے - نہ ہی درد سے دُکھی ہوتا ہے - کیونکہ سچّائی کا آغاز ہوتے ہی شک کا خاتمہ ہو جاتا ہے - جہاں مکمّل خوشی ہوتی ہے - وہاں تکلیف دہ خواہش نہیں رہتی - جہاں ایشور یہ پوِترتا کا راج ہوتا ہے - وہاں دُکھ کے لئے گنجائش کہاں ؟

انسانی زندگی اگر ٹھیک طور پر بسر کی جائے تو وہ بالکل سیدھی سادی اور خوشنما ہوتی ہے - جب تک انسان لذّاتِ نفسانی - لوبھ - لالچ اور خواہشات کی سیری کے پھندوں میں جکڑا رہتا ہے - تب تک زندگی ٹھیک طور سے بسر نہیں ہو سکتی - کیونکہ یہ پھندے اصلی زندگی نہیں - بلکہ ایک طرح کے تیز بخار اور تکلیف دہ اُمراض ہیں - جو رُوحانی تاریکی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں - خواہشات کو روکنا اور کم کرنا دانائی کا آغاز ہے - اُن پر کامل فتح حاصل کر لینا دانائی کی حد ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی اٹل قوانین کے تابع ہے - چونکہ یہ قوانین سے جُدا نہیں ہو سکتی اس لئے جن دنیاوی چیزوں پر زندگی کا انحصار ہے - وہ پہلے ہی مہیّا کر دی گئی ہیں - اور جن کی ضرورت نہیں وہ مہیّا نہیں کی گئیں - بطور مثال کے دیکھو نفس پرستی زندگی کی ضروریات میں سے نہیں بلکہ ایک سرکش اور فضول حرکت ہے - اس لئے اس کا انجام دُکھ اور تکلیف ہے - بائبل کی بیان کردہ تمثیل میں فضول خرچ بیٹا جب تک باپ کے گھر میں رہا - اُسے کسی چیز کی کمی نہ تھی - بلکہ اُسے ضرورت سے زیادہ ملتا تھا - اس لئے اُسے مانگنے کی ضرورت نہ تھی - کیونکہ ہر چیز پہلے ہی میسّر تھی لیکن جب فضول خواہش اُس کے دل میں پیدا ہوئی تو وہ پردیس میں چلا گیا - وہاں جا کر جو کچھ اُس کے پاس تھا خرچ کر کے بھوکا مرنے لگا تو اُسے باپ کا گھر یاد آیا - اور وہ واپس لوٹا - یہ تمثیل انسان کی بڑھتی ہوئی خواہشات کی ایک بہت اچھی مثال ہے - انسان نے اپنی خواہشات کو اتنا بڑھا لیا ہے

کہ وہ ہمیشہ بے چینی۔ ناکامی۔ محتاجی۔ اور تکالیف میں مبتلا رہتا ہے۔ اِس سے
چھٹکارہ پانے کا واحد علاج یہی ہے کہ وہ اپنے باپ کے گھر کی طرف لوٹے۔ یعنی
خواہشات کی زندگی کو چھوڑ کر سادہ زندگی بسر کرے۔ لیکن جب تک انسان
رُوحانی فاقہ کشی کی حد تک نہیں پہنچتا۔ اپنی زندگی کا رُخ نہیں بدلتا۔ خواہشات
کا انجام دُکھ اور ناداری ہے۔ ان کا تجربہ ہو جانے پر انسان للچائی ہوئی نگاہ سے
صبر و شُکر کی اُس زندگی کی طرف دیکھتا ہے۔ جو شانتی سے بھری ہوئی ہو۔ اور
جس میں کوئی محتاجی یا کمی نہیں۔ اب وہ اپنا رُخ بدل کر اپنے گھر کی کڑی منزل
پر چلنا شروع کرتا ہے۔ اور سادہ زندگی کے اُس زرخیز میدان میں داخل ہوتا
ہے۔ جہاں خواہشات کی غلامی سے رہائی مل سکتی ہے۔ حقیقی زندگی یعنی سچائی
اور اصلیت کی زندگی کے لئے جو پاک خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اُسکو اور خواہشات
کی للچاہٹ کو ایک ہی نہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ للچاہٹ دنیاوی عیش و عشرت
کو حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے اور پاک خواہش شانتی لابھ کرنیکے لئے
دنیاوی چیزوں کی خواہش ہمیں شانتی سے دُور ہٹاتی جاتی ہے۔ اور آخر
کار ہمیں ہمیشہ کے لئے نادار اور محتاج بنا دیتی ہے۔ جب تک اس خواہش کا
خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ تب تک آرام و چین ناممکن ہے۔ دنیاوی خواہشات کی
سیری تو کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاں شانتی کے لئے جو خواہش ہوتی ہے
وہ پوری ہو سکتی ہے۔ خود غرضی سے پیدا ہونے والی خواہشات کو چھوڑ
دینے سے شانتی حاصل ہو سکتی ہے۔ تب کامل خوشی۔ پوری خوشحالی اور
بے بہا آنند ملتا ہے۔ اور پھر اس آنند کی حالت میں زندگی کی سادگی اور
خوبصورتی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ اور طاقت و قابلیت کی کُنجی ہاتھ لگ جاتی ہے
تب پھر شانتی کی خواہش بھی نہیں رہتی۔ کیونکہ اب شانتی اُس انسان کی
فطرت کا جُزو بن جاتی ہے۔ خواہشوں میں غرقاب شخص غلطی سے یہ خیال
کرتا ہے کہ خواہشوں کے زیر کرنے سے انسان بے ہمت۔ بے حوصلہ اور

پر مُردہ دل ہو جاتا ہے۔ لیکن بر عکس اس کے حقیقت یہ ہے کہ خواہشوں
کے زیر کر لینے سے انسانی زندگی ایسی پُر ہمّت۔ پُر جلال اور بشاش ہو
جاتی ہے کہ اُن لوگوں کی سمجھ میں ہی نہیں آسکتی۔ جو خواہشوں کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں
"یہاں پر لڑائی جھگڑے کا شور و غل نہیں فضول گپ شپ نہیں بیہودہ بات
چیت نہیں۔ سنگتراش کی چھینی۔ مصنّف کی قلم۔ مصوّر کے برش کے گیت سُنائی دیتے
ہیں۔ اور سرور کی آنند سے بھری ہوئی رُوحوں کے سُریلے راگ ہوا میں گونجتے ہیں۔ اُسے اس
قسم کا کوئی دُکھ یا غم نہیں۔ کہ ہائے! یہ بات پوری نہ ہو سکی۔ افسوس دن گذر گئے
یہاں پر وقت قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ خودی کا ایسا مکمّل تیاگ ہو جاتا ہے کہ غم کے آنسو
خوشی کی قوس قزح کے رنگ میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اس سرزمین کی خوبصورتی
کو بڑھاتے ہیں۔ جہاں پر ہر طرف خوشی کے باجے بجتے رہتے ہیں"۔

جب انسان خود غرضانہ خواہشات سے رہائی پا لیتا ہے تو وہ نوع انسان کی
بھلائی کے کام کرنیکے لئے آزاد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب وہ اُن خواہشات کے پیچھے نہیں
بھاگتا کہ جن کی سیری کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ اب وہ اپنی سب طاقتوں کو حسب خواہش
استعمال کر سکتا ہے۔ چونکہ اُسے کسی انعام یا معاوضہ کی خواہش نہیں ہوتی۔ وہ اپنے
فرائض کو عمدگی سے پورا کرنے کیلئے اپنی تمام طاقت کو ایک نقطہ پر جمع کر سکتا ہے۔
اور اس طرح یہ سب کاموں کو کامیابی اور قابلیّت کے ساتھ پورا کرتا ہے۔

روشن ضمیر انسان کسی لالچ کیلئے کام نہیں کرتا۔ بلکہ اُس کا گیان ہی اُسے کام
کرنے کیلئے متحرک کرتا ہے۔ لیکن اُسکے برعکس خواہشمند شخص کسی لالچ کی وجہ سے کام
کرتا ہے۔ وہ اُس بچّے کی مانند ہے جو کھلونے کے لالچ سے کام کرتا ہے۔ گیانی شخص اپنی
پُر جلال زندگی کی طاقت کی وجہ سے ہر وقت کسی ضروری فرض کو پورا کرنے کیلئے
تیار ہو جاتا ہے۔ جو شخص رُوحانی لحاظ سے جوانمرد ہے اُسے نہ انعام کا لالچ ہوتا ہے
نہ تعریف کی خواہش۔ اُس کے لئے ساری گھٹنائیں (واقعات) اچھی ہیں۔ وہ ہر
وقت شانتی میں رہتا ہے۔ ایسے شخص کی زندگی قابلِ تقلید ہے۔ کیونکہ اُسکی خوشی

میٹھی اور قائم رہنے والی اور اس کی رفتارِ زندگی قانونِ قدرت کے منشاء کے مطابق ہوتی ہے۔

لیکن کامل آنند کا جیون ایک انجام ہے۔ جو رُوحانی مسافر اس کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اُسے اس انجام کی منزلِ مقصود تک پہنچنے کیلئے سفر کرنا اور وہاں تک پہنچنے کے وسائل ڈھونڈنے پڑتے ہیں۔ اُسے اپنی حیوانی خواہشات کی سرزمین سے ہوکر گذرنا اور اُن کی پیچیدگیوں اور اُلجھنوں سے بچکر اُن پر غالب آنا پڑتا ہے۔ یہ وہ راستہ ہے کہ جس میں بیرونی دشمن کوئی بھی نہیں ہوتے بلکہ اِنسان کی اندرونی حیوانی خواہشیں ہی دشمن کی شکل میں نمودار ہوکر مسافر پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں۔ شروع شروع میں راستہ تاریک دکھلائی دیتا ہے۔ کیونکہ خواہشات کی تاریکی چھائی ہوئی ہوتی ہے اس لئے اسے زندگی کی سادہ بناوٹ نظر نہیں آتی۔ اور اُسکے اصول اُس کی نظر سے اوجھل ہوتے ہیں۔ لیکن جُوں جُوں وہ سادگی کی طرف آتا جاتا ہے اُس کی رُوحانی آنکھوں کے سامنے زندگی کے اصول آنے لگتے ہیں۔ اور وہ فوراً اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ جہاں پر یہ اصول سمجھ میں آکر قابلِ عمل ہو جاتے ہیں۔ تب راستہ صاف اور آسان ہو جاتا ہے۔ اب نہ اندھیرا ہے نہ شک وشبہ۔ بلکہ ہر ایک شے گیان کی روشنی میں صاف نظر آتی ہے۔

سچّی زندگی کے متلاشیوں کی رفتار کو تیز کرنے میں مندرجہ ذیل سیدھے سادے اصول بہت مددگار ثابت ہونگے۔ یہ اصول عمل میں ریاضی کے قواعد کی مانند بالکل اٹل ہیں "ابتدائی اصول آسان ہوتے ہیں"۔

زندگی ایک ہے۔ مگر اُس کے ظہور انیک ہیں۔ اسی طرح اصول بھی ایک ہے۔ لیکن اس کے عمل انیک ہیں۔ یہ کبھی ہو نہیں سکتا کہ مادّی دُنیا کے لئے کچھ اور اصول ہوں اور روحانی دنیا کے لئے کوئی اور۔ مادّی اور نظر آنے والی چیزوں کے لئے ایک اصُول ہو اور روحانی اور نظر نہ آنے والی چیزوں

کے لئے دوسرا - سب جگہ ایک ہی اصول کام دیتا ہے - دنیاوی امور کیلئے ایک طرح کا علم منطق اور رُوح کے لئے دوسری طرح کا نہیں - بلکہ دُنیا اور رُوح دونوں کیلئے ایک ہی منطق ہے - دُنیادار لوگ دنیاوی کاروبار میں بغیر کسی قسم کی غلطی کے کچھ اصولوں اور قاعدوں کی پابندی کرتے ہیں - اور وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اُنہیں نظرانداز کرنا یا توڑنا خود اُن کیلئے اور سوسائیٹی کیلئے سخت نقصان کا باعث ہوتا ہے لیکن یہی لوگ رُوحانی باتوں میں ان اصولوں کو بالکل ہی نظرانداز کر دیتے ہیں - اور اپنی اس جہالت اور نافہمی کی وجہ سے تکلیف اُٹھاتے ہیں -

(۱) دنیاوی نقطۂ نگاہ سے یہ ایک اصول اور قاعدہ کی بات ہے کہ ایک انسان اپنے اور اپنے کُنبہ کے گذارے کے لئے روزی کمائے اور یہ کہا گیا ہے کہ "جو کام نہیں کرتا اُسے کھانا بھی نہیں ملے گا" - لوگ اس قاعدہ کو بخوبی جانتے ہیں - اس کی حقیقت اور صداقت کو تسلیم کرتے ہیں - اور اس لئے وہ گذارہ کرنے کے لئے روزی کماتے ہیں لیکن روحانی پہلو میں لوگ عام طور پر اس اصول اور قاعدہ سے مُنکر ہیں - اور اسکی پیروی کرنا ضروری نہیں سمجھتے - وہ اس بات کو تو بالکل درُست خیال کرتے ہیں کہ ہر شخص اپنی روٹی خود کمائے اور جو نہیں کماتا وہ بھوکا مرے اور چیتھڑے پہنے - مگر وہ یہ درُست سمجھتے ہیں کہ رُوحانی روٹی مُفت مل جائے - اور اُسے مانگ کر کھانے میں کچھ ہرج نہیں سمجھتے - یعنی وہ یہ چاہتے ہیں کہ غیر مستحق کو بھی بغیر کوشش کے مستحق کے برابر روٹی ملتی رہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ رُوحانی منگتے اور محتاج نظر آتے ہیں - وہ دُکھ اور تکلیف میں مبتلا رہتے ہیں - یعنی وہ آنند - گیان اور شانتی کی رُوحانی روٹی سے محروم ہیں -

(۲) دوسرا اصول یہ ہے کہ اگر تمہیں کسی دنیاوی شے - مثلاً خوراک - کپڑا - سامان یا دیگر اشیاء ضروریات زندگی کی خواہش ہے - تو تم کسی دوکاندار کے پاس جا کر مُفت نہیں مانگتے - بلکہ اُن کی قیمت دریافت کر کے اور دام دے کر اُن چیزوں کو لے آتے ہو - اور اب وہ تمہاری ملکیت ہیں - تم اس اصول کو بالکل ٹھیک اور درُست سمجھتے ہو

کہ جتنی چیز خریدی گئی ہے۔ اُس کی ٹھیک قیمت ادا کر دی گئی ہے۔ کسی قسم کی غلطی تو نہیں ہوئی۔

یہی منصفانہ اصول روحانی باتوں پر بھی عاید ہوتا ہے۔ اگر تمہیں کسی رُوحانی شئے کی ضرورت ہے۔ مثلاً آنند۔ شانتی وغیرہ تو اُن کی پوری قیمت ادا کرنے سے یہ حاصل ہو سکتے ہیں۔ قیمت دئے بغیر نہیں مل سکتے۔ جس طرح پر تم اپنا روپیہ خرچ کر کے ہی کوئی مادّی شئے خرید سکتے ہو۔ اس طرح پر کسی رُوحانی شئے کے حاصل کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ روحانی قیمت بھی ضرور ادا کرنی پڑتی ہے۔ رُوحانی شئے خریدتے وقت تمہیں اپنا۔ غصہ۔ لالچ۔ حیوانی جذبات وغیرہ بطور قیمت دینے پڑینگے کنجوس آدمی کو اپنے دھن کا بہت پیار ہوتا ہے۔ وہ دولت کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا اس لئے اُسے زندگی کے آرام و آسائش بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور باوجود مال و دولت رکھنے کے وہ زندگی کی ضروریات مہیا نہیں کر سکتا۔ چونکہ تم غصہ نہیں چھوڑ سکتے۔ اسلئے تمہیں شانتی بھی نہیں مل سکتی۔ وہ شخص جو اپنے حیوانی جذبات مثلاً کام کرودھ۔ لوبھ۔ موہ۔ اہنکار وغیرہ اور اسی طرح کے اور عیبوں کو اُن سے مخصوص خوشیاں حاصل ہونے کی وجہ سے نہیں چھوڑتا۔ وہ درحقیقت رُوحانی کنجوس ہے۔ اسلئے وہ رُوحانی آرام سے محروم رہتا ہے۔ اور رُوحانی محتاجی کی وجہ سے ہمیشہ تکلیف اُٹھاتا رہتا ہے۔ گو اُسکے پاس دنیاوی عیش و آرام کے سب ہی سامان موجود ہیں۔ لیکن وہ رُوحانی خوشی کو خریدنے کیلئے اُن کو بطور قیمت دینا نہیں چاہتا۔ کیونکہ وہ اُنہیں چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہے۔

جو شخص دنیاوی معاملات میں قابلیّت رکھتا ہے۔ وہ نہ تو مانگتا ہے اور نہ ہی چوری کرتا ہے۔ بلکہ محنت مزدوری کر کے اپنے کام کی چیزیں قیمتاً خریدتا ہے۔ اور اُسکی خوش معاملگی کی وجہ سے دُنیا اُسے عزّت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اِسی طرح پر جو شخص رُوحانی امور میں سمجھدار ہے۔ وہ بھی نہ مانگتا ہے۔ نہ چوری کرتا ہے۔ بلکہ اپنے دل کی دُنیا میں محنت اور کوشش کرتا اور اپنی روحانی چیزوں کی قیمت ادا

کرتا ہے۔ اسلئے سب ہی اُس کی عزّت کرتے ہیں۔

(۳) دنیاوی کاروبار میں ایک اَور اصول یا قاعدہ مقرر ہے کہ جب کوئی شخص نوکری کرتا ہے۔ تو وہ اپنے مالک سے تنخواہ کا فیصلہ کر لیتا ہے اور مہینے کے اختتام پر وہ اپنی تنخواہ لے کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ وہ نہ زیادہ مانگتا ہے اور نہ ہی اُمید رکھتا ہے کہ مالک اُسے کچھ زیادہ دیدیوے۔ وہ اپنے مالک سے کبھی یوں نہیں کہتا۔ کہ "باوجودیکہ زیادہ مانگنے کا نہ تو میرا کوئی حق ہے۔ اور نہ ہی مَیں اُس کا مستحق ہوں۔ لیکن پھر بھی مَیں کچھ زیادہ لینے کی اُمید ضرور رکھتا ہوں"۔ اگر کوئی ملازم ایسا کہے تو اُسے زیادہ ملنے کی بجائے بعض اوقات نوکری سے بھی جواب مل جاتا ہے۔

لیکن رُوحانی امور میں لوگ اس قاعدہ کے بالکل برعکس چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جس رُوحانی اُجرت یعنی رُوحانی آنند کا معاہدہ نہیں کیا گیا۔ جس کے لئے نہ تو کچھ محنت کی اور نہ کوشش۔ اور نہ ہی جس کے مستحق ہیں۔ تاہم لوگ ایسی اُجرت مانگنے اور اُس کے حاصل کرنے کو نہ بیوقوفی سمجھتے ہیں اور نہ ہی خود غرضی۔ دنیاوی اصول کے مطابق ہر ایک شخص اُتنا ہی حاصل کر سکتا ہے۔ جتنا مقرر ہو جاتا ہے۔ اور جتنا وہ کام کرتا ہے نہ کم نہ زیادہ۔ وہ جتنا اور جیسا کام کرتا ہے۔ اُس کا معاوضہ بھی اُتنا اور ویسا ہی پاتا ہے۔ ہر ایک خیال اور فعل کے لئے اسی قسم کا معاوضہ ملتا ہے۔ یعنی بدی کا بد اور نیکی کا نیک۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ بدی کا پھل نیک اور نیکی کا پھل بد ملے۔ بمصداق ؎

ہر آنکہ تخم بدی کِشت و چشم نیکی داشت   دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست

مطلب جس نے بدی کا بیج بو کر اُس سے نیکی کا پھل حاصل کرنے کی توقع رکھی۔ اُسنے جھوٹا خیال باندھکر اپنے دماغ کو ناحق بیہودگی سے تکلیف دی۔ بوئے پیڑ ببول کے تو آم کہاں سے ہوں۔ اس اصول کو سمجھ کر روشن ضمیر انسان ہمیشہ خوش۔ قانع اور پُر سکون رہتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے جو کچھ مل رہا ہے خواہ وہ سکھ ہے یا دُکھ۔ وہ اُس کے اپنے ہی کاموں کا پھل ہے۔ یہ عالمگیر اصول

ہر شخص کو اُس کے اعمال کا ٹھیک اور مناسب پھل خود بخود ہی دے رہا ہے لیکن یہ اصول شکایت کرنے والے اور بڑ بڑانے والے شخص سے کہتا ہے کہ "میرے دوست! کیا تمہارے ساتھ ایک پیسہ روزانہ اُجرت مقرر نہیں ہوئی تھی۔ اب زیادہ کیوں مانگتے ہو؟"

(۴) چوتھا یہ اصول کام کرتا ہُوا دکھائی دیتا ہے کہ جو شخص مالدار ہونا چاہتا ہے وہ کفایت شعاری سیکھے۔ اپنی آمدنی و خرچ کی جانچ پڑتال کرے۔ اور جب کچھ رقم بطور سرمایہ کے جمع ہو جائے۔ تو پھر اپنے اس چھوٹے سے سرمایہ کو دانائی کے ساتھ کسی اچھے کاروبار میں لگا دیوے۔ وہ روپیہ کا نہ تو فضول استعمال کرے۔ اور نہ ہی حد سے زیادہ بخیلی سے کام لے۔ اس طرح سے وہ تجربہ بھی حاصل کرتا جائیگا۔ لیکن ایک کاہل اور فضول خرچ شخص کبھی دولتمند نہیں بن سکتا کیونکہ وہ فضول خرچی سے روپیہ ضائع کرنے والا ہے۔ اسی طرح پر جو شخص رُوحانی طور پر مالدار بننا چاہتا ہے۔ اُسے بھی اپنے رُوحانی وسائل پر غور کر کے کفایت شعاری سے کام لینا چاہیئے۔ اُسے اپنی زبان اپنے بس میں رکھنی چاہیئے۔ اور اپنے جذبات پر قابو حاصل کر لینا چاہیئے۔ اُسے اپنی طاقت جھوٹی گپوں۔ فضول دلیل بازی اور غصہ کا جوش دکھلانے میں صرف نہ کرنی چاہیئے۔ اس طرح پر وہ دانائی کا کچھ ذخیرہ جمع کرے گا۔ جو اُس کا روحانی سرمایہ بن جائے گا۔ اب اُسے چاہیئے کہ وہ اس سرمایہ کو دوسروں کی بھلائی میں لگا دیوے۔ اب وہ اس سرمایہ کا جتنا زیادہ استعمال کرے گا وہ اُتنا ہی روحانی طور پر مالا مال ہوتا جائیگا۔

اس طرح پر انسان رُوحانی دانائی اور رُوحانی دولت کو بڑھاتا ہے۔ جو شخص اپنی اندھی خواہشوں اور جذبات کی پیروی کرتا ہے وہ اپنے دل کو قابو کر کے اُس پر حکومت نہیں کرتا۔ وہ رُوحانی فضول خرچ ہے۔ اور وہ رُوحانی لحاظ سے دولتمند نہیں بن سکتا۔

(۵) جسمانی دُنیا میں یہ ایک اور اصول ہے کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کی چوٹی پر

پہنچنا چاہتا ہے۔ تو اُسے پہاڑ کی چڑھائی چڑھنی پڑے گی۔ پہلے راستہ تلاش کرنا ہوگا پھر احتیاط کے ساتھ اُس پر چلنا ہوگا۔ اس لئے اُسے چڑھائی کی مشکلات اور سخت محنت سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور نہ جسم کی تھکاوٹ اور تکلیف کی وجہ سے چڑھنے کا ارادہ چھوڑ کر واپس لوٹ آنا چاہیئے۔ ورنہ وہ چوٹی تک کبھی نہ پہنچ سکے گا۔ رُوحانی دنیا میں بھی یہی اصول کام کرتا ہے۔ جو شخص خوش خُلقی اور دانائی کی شاندار چوٹی پر پہنچنا چاہتا ہے۔ اُسے خود ہی کوشش کرنی پڑیگی۔ اور راستہ تلاش کر کے بڑی محنت سے اُس پر چلنا ہوگا۔ اب وہ نہ تو چلنا چھوڑے اور نہ ہی راہ میں سے واپس لوٹے۔ بلکہ تمام تکالیف کا مقابلہ کرتا ہوا۔ طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتا ہوا۔ ترغیبوں سے بچتا ہوا۔ اپنے دلی درد کو برداشت کر کے آخرکار وہ مکمل اخلاق کی پُرجلال چوٹی پر جا کھڑا ہوگا۔ تب دکھ مصیبت اور ترغیبوں کی دُنیا اُسکے قدموں کے نیچے رہ جائے گی۔ اور رُوحانیت کا لامحدود آسمان اُس کے سر پر پھیلا ہوا ہوگا۔

اگر کوئی شخص کسی دُور دراز شہر یا مقام میں جانا چاہتا ہے تو اُسے سفر کرنا پڑیگا۔ ایسا کوئی طریق نہیں کہ جس سے وہ خیال کرتے ہی فوراً وہاں پہنچ جائے کیونکہ وہ وہاں تب ہی پہنچ سکتا ہے۔ کہ جب پہنچنے کے لئے کسی قسم کی کوشش کرے اگر وہ پیدل جانا چاہتا ہے تو وقت زیادہ لگے گا۔ اور چلنے کی تکلیف بھی برداشت کرنی پڑے گی۔ لیکن اُسے کرایہ کے لئے کچھ خرچ کرنا نہ پڑے گا۔ اور اگر وہ کار یا ریل کے ذریعہ سفر کرے گا تو جسمانی تکلیف کم ہوگی۔ وقت بھی کم خرچ ہوگا لیکن اپنا کمایا ہوا روپیہ خرچ کرنا پڑے گا۔ بہرصورت کسی جگہ پر پہنچنے کیلئے محنت کرنا ضروری ہے۔ جس سے انسان بچ نہیں سکتا۔ رُوحانی دُنیا میں بھی یہی اصول کام کر رہا ہے۔ جو شخص کسی رُوحانی منزل۔ مثلاً پوترتا۔ دیا۔ گیان یا شانتی تک پہنچنا چاہتا ہے اُس کو سفر کرنا ہوگا۔ اُس کے لئے محنت و تکلیف برداشت کرنی پڑے گی۔ ورنہ کوئی ایسا قاعدہ نہیں ہے۔ جس سے وہ ان روحانی مقامات

تک دفعتاً ہی پہنچ سکے۔ اُسے بھی سب سے پہلے سیدھا راستہ ڈھونڈنا پڑے گا۔ اور پھر حسب ضرورت محنت کر کے آخرکار وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیگا

مذکورہ بالا اصول قدرتی اعلیٰ اصول کی ہی کچھ مختلف شکلیں ہیں۔ اعلیٰ اَدھانی زندگی اور مکمل خوشی کو حاصل کرنے سے پہلے اُن کا سمجھنا۔ پیروی کرنا اور عمل میں لانا نہایت ہی ضروری ہے۔ مادّی دُنیا کا کوئی اصول بھی ایسا نہیں جو رُوحانی دُنیا میں نہ برتا جاتا ہو۔ جس طرح یہ مادّی چیزیں رُوحانی اصلیتوں کا سایہ اور مثال ہیں۔ اِسی طرح سے عقلِ انسانی بھی عقلِ کُل (ایشور یہ گیان) کا پرتو یا عکس ہے۔ دنیاوی کاروبار میں جو سیدھے سادے اصول کارآمد ہوتے ہیں۔ اُن پر کوئی بھی شک وشبہ نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ درست اور صاف دکھائی دیتے ہیں۔ اسلئے بغیر چُون وچِرا ان کی پیروی کی جاتی ہے۔ کوئی شخص بھی اُن سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتا۔ ٹھیک یہی اصول رُوحانی دنیا میں بھی کام آتے ہیں۔ اور جب انسان اُنہیں سمجھکر پُوری طرح پر اُنکی پیروی کرتا ہے جسطرح وہ دنیاوی باتوں میں کرتا ہے تب وہ حقیقی گیان کے نزدیک پہنچ جاتا ہے۔ پھر اُسکے دُکھ دُور ہو جاتے اور سب شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔

زندگی ایک ایسا فیصلہ شدہ مسئلہ ہے جس میں کسی قسم کے سمجھوتے کی گنجائش نہیں۔ اس کا عمل بالکل سادہ۔ بے خطا اور شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ اصول ہمیشہ حکومت کرتا ہے اور اصول کا دِل یعنی اندرونی بھاؤ پریم ہے۔ ہر قسم کی رورعایت اور متلون مزاجی اصول اور پریم کے برعکس ہیں۔ دُنیا کسی کی رعایت یا طرفداری نہیں کرتی۔ وہ حد درجہ کی منصف مزاج ہے۔ ہر ایک کو اُسکا واجبی حق دیتی ہے۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی پھل پاتا ہے۔ دُنیا کی ہر ایک بات چونکہ اصول کے تابع ہے۔ اِسلئے اچھی ہے۔ ہر ایک بات اصول کے زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے۔ انسان زندگی کا درست راستہ معلوم کر سکتا ہے۔ وہ اُس پر چل کر خوش وخرم رہ سکتا ہے۔

"نیک آدمی پر کیا اس زندگی میں اور کیا موت کے بعد کوئی مصیبت نہیں آ سکتی"۔ مسیح اس صداقت کو جانتا تھا۔ اُس نے اپنے سب دشمنوں کو یہ کہکر معاف

کر دیا"۔ کوئی بھی میری جان نہیں لے سکتا۔ میں خود ہی اپنی زندگی کو چھوڑتا ہوں"
اس طرح پر اُس نے خود ہی اپنا خاتمہ کر لیا۔

وہ انسان جو اپنی زندگی کو سادہ بنا کر اور دل کو پاک رکھ کر اپنی زندگی کی خوبصورتی کو سمجھنے لگتا ہے وہ سب باتوں میں اصول کے اٹل عمل کو پہچانتا ہے وہ جانتا ہے کہ اُس کے اپنے خیالات اور اعمال کا پھل اُسکے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے کیا ہوگا۔ وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ جن خیالات کی لہر وہ دُنیا میں بھیج رہا ہے۔ اُس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ وہ یہ سمجھ کر صرف اُنہی خیالات اور افعال کا سبب بنتا ہے کہ جنکا آغاز اچھا ہے۔ جنکی نشوونما اچھی ہے اور جنکا نتیجہ بھی اچھا ہوگا۔ جہالت کی وجہ سے اُس سے جو کام سرزد ہو چکے ہیں۔ اور اُسکے جو مناسب پھل اُسے ملتے ہیں وہ اُنہیں سر تسلیم خم کر کے قبول کر لیتا ہے اور اُنکے متعلق نہ شکایت کرتا ہے نہ ڈرتا ہے اور نہ شک و شبہ کرتا ہے۔ بلکہ اصول کی فرمانبرداری کرتے ہوئے پُرسکون رہتا ہے۔ اور اس اٹل قانون کو جان لینے میں ہی پوری طرح پر خوش رہتا ہے۔

"زندگی کے تانے بانے کو ہم اپنے ہی حسب پسند رنگوں کے دھاگوں سے بُنتے ہیں اور قسمت کے کھیت میں جیسا بوتے ہیں۔ ویسا ہی کاٹتے ہیں۔ اِس لئے ہم نے جیسا بویا ہے ویسا ہی کاٹکر ہم صابر بھی رہیں تو پھر ہمارے لئے اصول کی تلخی مٹھاس میں بدل جاتی ہے اور زخم خود ہی مرہم شفا بن جاتا ہے"۔

گندم از گندم بروید جو از جو　　　　از مکافاتِ عمل غافل مشو

معنے:۔ گیہوں سے گیہوں اور جو بونے سے جو پیدا ہوتے ہیں۔ اس اصول کو سمجھ کر نیک و بد اعمال کے نتیجہ سے غافل نہ ہو۔

چودھواں راستہ

انجام بخیر

یہ قانونِ قدرت ہی ہے جو نیکی اور دھرم کا راستہ دکھلاتا ہے۔ اس کے عمل کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اس کا دل پریم ہے اور اس کا انجام شانتی۔ اس کی تکمیل میٹھی ہے۔ اسلئے اُس کی پیروی کرو۔

(دی لایٹ آف ایشیا)

خوش قسمتی سے جب تیرا کام ختم ہو جائیگا تو بدی بھی نیکی بن جائیگی ہفتہ کے سب ہی دن رُوحانی روشنی کی پاکیزگی سے بلکہ پاک دن ہو جائیں گے۔

(عیسائیوں میں اتوار کا دن پاک گنا جاتا ہے۔) (وی ٹیبٹر)

چونکہ انسانی زندگی میں بہت سی شرافت۔ نیکی اور خوبصورتی پائی جاتی ہے۔ اس لئے اُس کے کئی قسم کے نیک انجام ہوتے ہیں۔ اگرچہ دُنیا میں گناہ اور جہالت بہت ہے۔ سخت دُکھ۔ تکلیف۔ رنج و غم بھی موجود ہے لیکن ساتھ ہی پاکیزگی اور گیان کی روشنی کی بھی کچھ کمی نہیں ہے۔ آنند بھی ہے۔ آرام بھی ہے زخم خوردہ کا علاج بھی ہے اور تسکین بھی ہے۔ کوئی پاک خیال۔ کوئی خود غرضی سے خالی کام اپنا نتیجہ پیدا کئے بدوں نہیں رہتا۔ ہر ایک ایسا نتیجہ ایک نیک انجام ہوتا ہے ایک خوش و خورم کنبہ زندگی کا ایک نیک انجام ہے۔ ایک کامیاب زندگی ایک نیک انجام ہے۔ کسی کام کو ایمانداری کے ساتھ اچھی طرح پورا کرنا ایک نیک انجام ہے۔ اچھے اور مہربان دوستوں میں رہنا ایک نیک انجام ہے۔ لڑائی جھگڑے کو مٹا دینا۔ دل کی کدورت دور کر دینا۔ اپنی غلطیوں کو تسلیم کر لینا۔ تلخ کلامی کے لئے معافی مانگ لینا۔ رُوٹھے ہوئے دوست کو منا لینا۔ دو ٹوٹے ہوئے دلوں

کو بلا دینا یہ سب ہی نیک انجام ہیں جسکی جُستجو اور کھوج میں ہم نے رات دن ایک کر دیا ہے۔ اُسکا حاصل ہو جانا ایک نیک انجام ہے۔ غمگین اور رنجیدہ دل کو خوش کر دینا۔ کسی کے آنسو پونچھ دینا ایک نیک انجام ہے۔ گناہ کی تاریکی سے نکل کر روشنی میں آنا۔ اور تلاش کی جدوجہد کے بعد سوُرگ کی راستہ معلوم کر لینا یہ سب رُوحانی نیک انجام ہیں۔

وہ انسان جو اندرونی آنکھیں کھولکر دیکھتا ہے۔ ٹھیک طور پر کھوج لگا لیتا ہے۔ اور اِن بیان شدہ راستوں میں داخل ہو جاتا ہے اور اس آخری راستہ پر بلا تردّد ہی آ پہنچتا ہے۔ اسلئے اُس کی ساری زندگی ہی نیک انجاموں سے بھر جائے گی۔ جو شخص سچّائی کی تلاش کرتا ہے۔ سچّائی پر ہی چلتا رہتا ہے۔ اُسے ایسے نیک انجاموں کی خواہش کرنے اور ڈھونڈنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ نیک انجام تو خود ہی سچّائی کی پیروی کے نتائج ہیں۔ اُن کا وقوع میں آنا ایک یقینی امر ہے۔ اور وہی زندگی کی اصلیّت ہیں۔

نیک انجام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک دنیاوی۔ دوسرے روحانی۔ دنیاوی انجام تو چند روزہ۔ گذر جانیوالے اور فانی ہوتے ہیں۔ رُوحانی انجام قائم رہنے والے اور دیرپا ہوتے ہیں۔ زندگی کے عیش و آرام۔ دوستی اور میل ملاپ میٹھے تو ضرور ہیں۔ لیکن وہ تغیّر پذیر اور مرجھا جانیوالے ہیں۔ پاکیزگی۔ دانائی اور صداقت کی روشنی ایسے انجام ہیں۔ جو نہ بدلتے ہیں۔ نہ مرجھاتے ہیں اور ہمیشہ تک قائم رہتے ہیں۔ دُنیا میں انسان جہاں کہیں جاتا ہے۔ اپنے مال واسباب کو بھی ساتھ لے جاتا ہے۔ لیکن آخر اس سے جدائی ہو جاتی ہے۔ اگر انسان صرف اسی پر اپنا سہارا رکھے اور اسی کو اپنی خوشی کا ذریعہ سمجھے تو وہ ایک ایسے انجام پر پہنچیگا کہ جہاں تہیدستی اور محتاجی کے سوائے اور کچھ بھی نہ ہوگا۔ لیکن جس انسان نے اپنی خوشی کا ذریعہ روحانی امور کو ہی سمجھا ہے۔ وہ کبھی خوشی سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کبھی اُس سے جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ وہ

جہاں کہیں بھی جائیگا - اپنی رُوحانی دولت کو ساتھ لے جائیگا - اُسکا انجام رُوحانی آنند سے بھرا ہُوا ہوگا -

جس شخص نے ایسی زندگی حاصل کرلی ہے - جسمیں خودی کا نام و نشان بھی نہیں رہا - وہ ابدی راحت (پرم آنند) میں مگن رہتا ہے - اُسنے اسی زندگی میں سُورگ راج کو پالیا ہے - اور نجات حاصل کرلی ہے وہ جیون مُکت ہے - وہ زندگی کی وحدت (ایکتا) کو پہچانتا ہے - اور پرماتما کو اپنا آخری سہارا بنا کر اُسی کی آنند دینے والی گود میں آرام پاتا ہے -

وہ شخص مبارک ہے اسکا دلی چین اور شانتی کی مٹھاس اور آنند کی گہرائی ناقابلِ بیان ہے - جسنے اپنے دل کو حیوانی جذبات - نفرت اور ناجائز خواہشات سے پاک کرلیا ہے - جسکے دلمیں خود غرضی اور کدورت کی تلخی کا نشان بھی باقی نہیں رہا - جو سب کو محبت اور پریم کی نگاہ سے دیکھتا ہے - جسکے دل سے یہ صدا بلند ہوتی ہے "سب کا بھلا ہو - کل مخلوق کا بھلا ہو" - جو سب جانداروں کو اپنی مانند ہی سمجھتا ہے - اور کسی جاندار کو تکلیف نہیں پہنچاتا - ایسا شخص ایک ایسے نیک انجام کو پہنچ جاتا ہے - جو اُس سے واپس نہیں لیا جاسکتا - نہ ہی کوئی چھین سکتا ہے - کیونکہ یہی تو زندگی کی تکمیل - شانتی کی حد اور مکمّل خوشی (پرمانند) کی آخری منزل ہے -

میرے دوستو! تم سے رُخصت ہونے سے پیشتر پھر میں زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ رُوحانی آرام گاہیں زندگی کے راستہ سے کہیں دُور نہیں ہیں - وہ نزدیک ہی ہیں - اور حاصل ہونے کے قابل ہیں - لیکن خود غرضی سے خالی ہو کر کوشش اور دلی لگن کے ساتھ ڈھونڈنے پر ملتی ہیں -

"سب کے بھلے میں ہی ہمارا بھی بھلا ہے"

اصُول برہمو دھرم!

۱. کل کائنات کو پیدا کرنے والا ایک پرماتما ہے جو کامل ابدی و لاثانی ہے

۲. وہ قادرِ مطلق علیم ۔ عادل ۔ پاک محبت کُل ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

۳. رُوح انسانی غیر فانی اور لاانتہا ترقی کرنے کی قابلیت و خاصیت سے مشرف ہے۔

۴. خدا سب کا باپ ہے ۔ اور سب مرد و عورتیں رُوحانی آزادی و الٰہی زندگی حاصل کرنے کے استحقاق میں برابر ہیں

۵. اپنی زندگی میں اعتدال اور کل مخلوق کے ساتھ اتحاد رکھنا رُوح کی علّت غائی ہے۔

۶. اس علّت غائی کے موافق عمل کر کے رُوح اپنے اور اوروں کے لئے مفید ورنہ مُضر بنتی ہے۔

۷. سادھو مہاتما اور دھرم پُستکیں دھرم جیون حاصل کرنے کے استحقاق میں ایک حد تک مددگار ہونے کی وجہ سے شردھا اور تعظیم کے لائق ہیں مگر وہ مُکتی حاصل کرنیکا کامل ذریعہ نہیں ہیں۔

۸. رُوحانی عبادت اور خداوند تعالیٰ کی مرضی کے موافق خیال کلام اور عمل کرنا ہی سچّی نجات ہے۔

اگر دھرم کے متعلق زمانۂ حال کی نئی روشنی سے فائدہ اٹھا
اپنی روحانی ترقی چاہتے ہو۔ تو مفصلہ ذیل کتب سپرنٹنڈنٹ
سادھن آشرم نمبر ۹ لنگلے روڈ (رام نگر) لاہور سے منگوا کر مطا

	قیمت
برہم دھرم کے ویاکھیان اردو جلد اول حصہ اول و دوم بلا جلد	عه
" " جلد دوم (حصہ سوم و چہارم) بلا جلد	۸/
سوانحمری مہاتما راجہ رام رائے	۵/
اپدیش مالا	۶/
جیون آہار	۴/
روحانی گلدستہ	۴/
برہم دھرم گرنتھ حصہ دوم	۶/
برہم دھرم کے بنیادی اصول ..	۶/
سوانحمری حضرت محمد صاحب	۸/
خود نوشت سوانحمری پنڈت شوناتھ شاستری	۵/
روحانی روشنی	۵/
گیتا بودھ از مہاتما گاندھی	/
خود نوشت سوانحمری مہرشی دیوندرناتھ ٹھاکر جی	۱۲/
سنگیت مالا	۵/
بشواسی بنے	۸/
دہریت و مادیت کی تردید	۴/

ایشور ایک غیر فہیم مادی طاقت ہے یا فہیم زندہ پرش؟

خدا اور روح .. ..

برہم دھرم سکشا ...

وقت اور اصلاح

مشرقی اور مغربی دھرم بھاؤ

ملک ہند کیلئے عظیم مسئلہ

دھرم کا روپ و سروپ

پرکال تت یعنی مرنے کے بعد کا حال

گیان اور دھرم کی ترقی

مہاتماؤں کے کلام

دھرم مارگ .. ..

ہندی کتب

سنگیت مالا ..

براہم دھرم گرنتھ حصہ دوم

براہم دھرم سکھشا

سوانحمری مہاتما راجہ رام موہن رائے